

نام نیک رنگاں صانع ایمان

ابن امین اللہ طوفان  
کا  
مذکرہ شعراء  
(تصنیف ۱۲۵۱ھ تقم)

مُرتبہ  
قاضی عبدالودود  
(م، ۱۹۸۳ء)

خدا بخش اور نیل پبلک لائبریری، پٹنہ

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

ابن امین اللہ طوفان

کا  
تذکرہ شعرا  
(تصنیف ۱۲۵۱ھ قمری)

مؤلف

قاضی عبدالودود

(۲ : ۱۹۸۳ء)

خدا بخش اور نیٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

تقسیم کار: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی - ۱۱۰۰۰۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، بمبئی - ۴۰۰۰۰۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ - ۲۰۲۰۰۲

اشاعت: ۱۹۹۵ء

قیمت: پچاس روپے

## حرفے چند

ابن امین اللہ طوفان کا تذکرہ شعرا قاضی صاحب نے ۱۹۵۲ء میں اپنے قائم کردہ ادارہ کا تحقیقاتِ اردو کے سلسلہ مطبوعات کی پہلی کتاب کے طور پر شائع کیا۔ تذکرہ کا قلمی نسخہ خدا بخش لاہری میں محفوظ ہے۔ مصنف نے تذکرہ کا کوئی نام نہیں رکھا ہے۔ خود اپنا نام بھی نہیں لکھا البتہ والد امین اللہ طوفان کا ذکر اس تذکرے میں موجود ہے۔ اسی سے قاضی صاحب نے تذکرہ کے سرورق پر ابن امین اللہ طوفان درج کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مصنف عظیم اللہ رحمنی کے بھائی تھے اور یہ کہ یہ تذکرہ ۱۲۴۷ھ > ۱۲۵۱ھ کے درمیان لکھا گیا۔

اس تذکرہ کی اشاعتِ اول (۱۹۵۴ء) کے اخیر میں ایک غلطنامہ (ص ۸۸) بھی شامل تھا، موجودہ ایڈیشن میں ان ہدایات کے پیش نظر غلطی کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ اس لیے اب وہ غلطنامہ کا صفحہ موجودہ ایڈیشن سے نکال دیا گیا ہے۔

قاضی صاحب نے یہ تذکرہ ۱۹۵۲ء میں مرتب کیا۔ ۱۹۸۱ء آتے آتے پھر وہ کہنے لگے تھے اب میرا خیال ہے کہ اس کا اسکان بھی ہے کہ خود رحمنی نے یہ تذکرہ (تذکرہ ابن طوفان) لکھا ہو۔  
(انتخابِ رحمنی مرتبہ ڈاکٹر محمد انصار اللہ ص ۳۷)

قاضی صاحب نے تذکرہ کے آغاز میں ایک فہرست دی ہے جو اس شعر پر مشتمل ہے۔ یہ فہرست بہ ترتیب ابجد الفبا نہیں ہے بلکہ اس طور پر ہے کہ تذکرہ کے پہلے صفحہ پر درد کا ذکر آیا ہے پھر میو کا، تو پہلا نمبر درد کو دیا گیا، دوسرا میو کو، تیسرا نمبر سودا کو دیا گیا ہے اس لیے کہ وہ اگلے صفحہ پر آتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ ہم نے اس فہرست کو الفبائی ترتیب میں بھی دے دیا ہے تاکہ استعمال میں آسانی ہو سکے۔ فہرست کو مزید سود مند بنانے کے لیے ان شعرا کا ذکر قاضی صاحب کے اپنے حواشی میں بھی جہاں جہاں ہے، ان صفحات کا حوالہ متن کے صفحہ نمبر کے بعد دیا گیا ہے۔

تذکرہ کے کا متن ۱۹ مطبوعہ صفحات میں آیا ہے اور قاضی صاحب کے حواشی و ملحقات حواشی اگلے ۸۶ صفحات میں۔ آخر میں (۸۶-۸۷) ڈیڑھ صفحوں پر مشتمل مفردات و مرکبات اور استعمال ہیں جو ان کے حسب ستور صفحات ۱-۱۹ میں یعنی جیسے جیسے ملتے چلے گئے، دیتے چلے گئے ہیں۔ انکی بھی ہم نے الفبائی ترتیب کر دی ہے تاکہ بہتر استعمال ہو سکے۔

(ضرب)

# شعرا کا اشاریہ

## الفبائی ترتیب میں

دوق، ۲۹، ۲۸، ۵، ۸۱، ۷۷، ۷۹	آتش، ۱۱، ۱۰، ۱۳، ۲۹، ۳۲، ۴۵، ۴۶
رشک، ۲۳، ۹، ۴۵، ۷۹، ۸۲، م	۴۹، ۵۰، ۵۶، ۷۷، ۸۱، ۸۵ -
رضا، ۱۸، ۱۹، ۷۳	اختر، قاضی محمد صادق، ۶۶، ۵۲، ۶۰، ۶۵،
ریگین، ۱۷، ۷۰، م	۸۰، ۸۵
سودا، ۲، ۲۱، ۲۵، ۲۶، ۵۲، م	اعظم، اعظم علی بیگ، ۱۲، ۱۵، ۵۶، ۷۷، ۸۰،
سوز، ۳، ۲۵، ۲۶	۸۵ اندوہ، علی حسین خان، ۱۷، ۶۵
سوزش، عبداللہ، ۱۹، ۷۶	انشا، ۳، ۲۶، ۷۷، ۸۱
شہید محمد بخش، ۱۹، ۷۳، ۷۶، ۸۰، ۸۶	بحر، ۱۷، ۶۵ - ۶۷، ۸۰، ۸۵
طوفان، امین اللہ، ۱۸، ام	برقی، ۱۹، ۳۷، ۳۳، ۷۳، ۷۴، ۸۶
عرفان، محمد عباس، ۱۵، ۱۶، ۵۹، ۸۵	بیار، زین العابدین، ۱۴، ۵۵، ۵۶، ۷۹،
تادرنکھنوی، ۱۶، ۵۹، ۶۰، ۸۰	۸۰، ۸۴، ۸۵
گویا، فیض محمد خاں، ۸، ۹، ۳۳، ۳۷،	جرات، ۲۳، ۲۶، ۲۸، ۵۲، ۷۱، ۷۷
۷۷، ۷۹، ۸۲	جلیل، ہدایت علی، ۱۱، ۵۰ -
مصطفیٰ، ۳، ۴، ۱۰، ۱۳، ۱۳، ۱۷، ۲۶،	حیرت، محمد عظیم، ۱۱، ۱۳، ۵۱ - ۵۵، ۸۳
۲۹، ۳۱، ۳۹، ۵۲، ۵۴، ۷۷	خان، غلام حسین خان، ۱۲، ۱۳، ۵۱ - ۵۵، ۸۳
- ۵۹، ۶۵، ۶۸، ۷۱، ۸۳ - ۸۵	خلیل، دوست علی، ۱۱، ۴۹، ۵۰ -
مظلوم، مظلوم شاہ، ۱۳، ۱۴، ۵۴، ۵۵،	درد، ۱، ۲، ۳، ۷۷، ۷۸، ۸۱
۷۹، ۸۳، ۸۴ -	ذاکر، ذاکر علی، ۱۵، ۷۷ - ۵۹، ۸۰، ۸۵

منظر، ۸۱'۲۶'۴

میرزا حاجی، ۱۷'۶۷-۸۰'۸۰'۸۵

۸۶  
میر، ۱۳'۲۱'۲۳'۲۵'۵۲

۵۴  
نادر، کلب حسین خان، ۱۰'۱۸'۲۵-۳۹'۶۳

۸۶-۸۲'۷۹

نابخ، ۵-۱۰'۱۸'۱۹-۲۹'۳۶-۳۸'۴۳

۴۶'۵۳'۵۱'۶۵'۶۶'۶۸'۶۹

۴۳'۷۵'۷۷'۸۱'۸۳'۸۵'۸۶

ناطق بنارکی، ۷۲'۱۸'۱۷

نجف شاه محمد علی، ۱۳'۵۳'۵۴

نصیر، ۸۱'۷۷'۲۹'۲۸'۵۱

وزیر، ۳۱'۳۵'۳۳-۳۱'۹'۸

۸۱'۷۷'۱۶

دادی محمد مهدی، ۱۸'۷۲'۷۳'۸۶'۸۷

روس، ۸۶'۷۱'۷۰'۷۱'۷۲

یاس، انور علی، ۸۶'۷۱'۷۲'۷۳'۷۴'۷۵

سلسلہ مطبوعات ادارہ تحقیقات اردو  
(۱)

# مذکرہ شعرا

مصنف

ابن امین اللہ طوفاں

مرتبہ

قاضی عبدالودود

زمانہ ترتیب الطباع  
اپریل و مئی ۱۹۵۳ء

مطبع آزاد پریس، سبزی باغ۔ پٹنہ ۲ میں چھپا

# مقدمہ

ریختہ گوئی کا مرکز نقل عہد محمد شاہ (۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۴ھ) میں دکن سے دہلی منتقل ہوا ہے اور ریختہ گوئیوں کی تذکرہ نگاری کی ابتدا بھی اسی دور میں ہوئی ہے، مگر جو تذکرے اس وقت موجود ہیں، ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو ۱۱۶۵ھ سے پیشتر مکمل ہو سکا ہو۔ اس زمانے سے ۱۱۶۵ھ تک جس کے لگ بھگ تذکرہ ہذا سپرد قلم ہوا ہے، کم و بیش چالیس تذکرے وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے ۱۴ (بشمول ن) مرض طبع میں اسپکے ہیں، ایک (تذکرہ مسرت افزا) بہ اقساط معاصرین چھپا ہے، کچھ ناپید ہیں اور باقی کچھ خمول میں پڑے اس کے منتظر ہیں کہ کب منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔

مصنف نے گل رعنا کے دیباچے میں یہاں تذکرہ کا فرق ان الفاظ میں دکھایا ہے: "بیاض تنہا شتمل بر اشعار بقید نام شاعر و باقید میباشد و تذکرہ محتوی ہم بر احوال شاعر میباشد و ہم بر اشعار او" اور اس نے فارسی گوئیوں کے بیشتر تذکروں کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "حکم بیاض دارد و تذکرہ" اس سے صورت حال صحیح طور پر ظاہر نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی تذکرہ ہو جس کا معذبہ جہت تذکرہ کہے جانے کا مستحق نہ ہو، مگر ان کا کچھ حصہ بے تشبہ و بطور بیاض ہوتا ہے اور بہ بات ریختہ گوئیوں کے قدیم تذکروں پر بھی صادق ہے۔ ان میں سے بکثرت ایسے شعرا ہیں جن کا کلام تو کچھ نہ کچھ درج ہے، لیکن حالات مطلقاً نہیں۔ مزید یہ کہ جن شعرا کے حالات ہیں، ان کے متعلق بھی عموماً زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا اور نہایت ضروری باتیں نظر انداز کر دی گئی ہیں۔

اشعار کے غلط انتساب کی مثالیں بھی تذکروں میں بہت ملتی ہیں اور جا بجا ایسے عبارات پائے جاتے ہیں جو مصنف کے مافی الضمیر کو واضح طور پر ظاہر نہیں کرتے اور غلط فہمی کا باعث ہوتے ہیں۔ تنقید ان میں یا تو ہوتی ہی نہیں، یا ہوتی ہے، تو عموماً ایسے الفاظ میں جن کے معانی کی تعبیر آسان نہیں۔

تذکرہ ہذا جس کا کوئی نام مصنف نے نہیں رکھا، کسی کتاب کا ضمیمہ معلوم ہوتا ہے۔

# مقدمہ

ریختہ گوئی کا مرکز ثقل عہد محمد شاہ (۱۱۶۵ تا ۱۱۶۷ھ) میں دکن سے دہلی منتقل ہوا ہے اور ریختہ گوئیوں کی تذکرہ نگاری کی ابتدا بھی اسی دور میں ہوئی ہے، مگر جو تذکرے اس وقت موجود ہیں، ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو ۱۱۶۵ھ سے پیشتر مکمل ہو سکا ہو۔ اس زمانے سے ۱۱۶۵ھ تک جس کے لگ بھگ تذکرہ ہذا سپرد قلم ہوا ہے، کم و بیش چالیس تذکرے وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے ۱۲ (بشمول ن) مہرض طبع میں آچکے ہیں، ایک (تذکرہ مسرت افزا) بہ اقساط معاصرین چھپا ہوا ہے، کچھ ناپید ہیں اور باقی کچھ مخول میں پڑے اس کے منتظر ہیں کہ کب منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔

شرفیق نے گل رعنا کے دیباچے میں بیاض و تذکرہ کا فرق ان الفاظ میں دکھایا ہے: "بیاض تنہا مشتمل بر اشعار بقید نام شاعر و بیا قید مبیاشد و تذکرہ مضموی ہم بر احوال شاعر مبیاشد و ہم بر اشعار او" اور اس نے فارسی گوئیوں کے بیشتر تذکروں کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "حکم بیاض دار و تذکرہ" اس سے صورت حال صحیح طور پر ظاہر نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاید ہی کوئی تذکرہ ہو جس کا مخدبہ حصہ تذکرہ کہے جانے کا مستحق نہ ہو، مگر ان کا کچھ حصہ بے شبہ طور پر بیاض ہوتا ہے اور بہ بات ریختہ گوئیوں کے قدیم تذکروں پر بھی صادق ہے۔ ان میں سے بکثرت ایسے شعرا ہیں جن کا کلام تو کچھ نہ کچھ درج ہے، لیکن حالات مطلقاً نہیں۔ مزید یہ کہ جن شعرا کے حالات ہیں، ان کے متعلق بھی عموماً زیادہ تحقیق سے کام نہیں لیا گیا اور نہایت ضروری باتیں نظر انداز کر دی گئی ہیں۔

اشعار کے غلط انتساب کی مثالیں بھی تذکروں میں بہت ملتی ہیں اور جا بجا ایسے عبارات پائے جاتے ہیں جو مصنف کے مافی الضمیر کو واضح طور پر ظاہر نہیں کرتے اور غلط فہمی کا باعث ہوتے ہیں۔ تنقید ان میں یا تو ہوتی ہی نہیں، یا ہوتی ہے، تو عموماً ایسے الفاظ میں جن کے معانی کی تعیین آسان نہیں۔

تذکرہ ہذا جس کا کوئی نام مصنف نے نہیں رکھا، کسی کتاب کا ضمیمہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کے قلمی نسخے کے صفحوں اول میں بسم اللہ انجمن سے قبل عبارت ذیل مرقوم ہے: "اشعار شاعران ہندی زبان ہرزمین کہ بر زبان من خاطر پریشاں بود بر طبق ایامے آل فیض ماں آسماں شان صوت سبیل گل رویاں بشانہ خامہ مشاطگی کہ وہ جمع نمود"

"فیض ماں" گون ہیں اور مصنف کا کیا نام ہے، یہ باتیں نہ ن میں ہیں نہ کسی اور ذریعے سے معلوم ہو سکیں۔ ن سے یہ پتا البتہ ملتا ہے کہ شاعر ۳۰۳ء میں اللہ، طوفان مصنف کے والد اور شاعر ۲۱۱ء خان الہ آبادی ان کے استاد تھے۔ امین اللہ، طوفان کا مستقل ترجمہ کسی دوسرے تذکرے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ یادگار صنیم مطبوعہ ۱۳۰۲ھ میں جہاں عظیم اللہ، رعنی کا حال لکھا ہے، انہیں ان کا والد البتہ بتایا ہے اور آزاد نے آبجیات میں رعنی کی وساطت سے ناسخ سے متعلق حصول معلومات کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے والد کے بارے میں بغیر اس کے کہ ان کا نام آئے کچھ باتیں جو القلم کی ہیں۔ آزاد لکھتے ہیں:

"زندگان قدیم کی عمدہ یادگار.. مولوی محمد عظیم اللہ.. ایک صاحب فضل و عاشق کمال غازی پور زمنیہ.. کے رئیس ہیں۔ اگرچہ بزرگوں کا حال بہ تفصیل معلوم نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ قاضی الفقات مفتی اسد اللہ.. کی ہمشیرہ یعنی شاہ اجل.. کی نواسی سے ان کی شادی ہوئی.. موصوف کے والد کی۔ ناسخ سے نہایت دوستی تھی.. جذب جنسیت اور اتحاد طبیعت ہمیشہ مولوی صاحب کے والد کو غازی پور سے لکھنؤ کھینچ کر لیجاتا تھا، مہینوں وہیں رہتے.. مولوی صاحب کا ۵ برس کا سن تھا یہ بھی.. ساتھ ہوتے.. اس وقت سے ناسخ کی خدمت میں رہے اور سا لہا سال قیصر حیدری سے بہرہ یاب

۱۔ مخضر بھڑا، ملک کتب خانہ بمشترقیہ پٹنہ، ۱۶ صفحے، نام کتاب و سنہ کتابت ندارد،

قیاس کتب ہے کہ سو برس سے کم کا نہیں۔

۲۔ خجائہ جاوید، ۳۳۷ء مطبوعہ ۱۹۱۲ء، امان اللہ، طوفان، یہ صحیح نہیں۔

۳۔ خجائہ میں جید پوری لکھا ہے اور یہ بھی کہ غازی پور زمنیہ کے رئیس ہیں۔

ہوئے۔ رنجی تخلص<sup>۲</sup> انہیں نے عنایت فرمایا، جس سے سنہ ۱۲۵ھ سال نلمذ نکلے ہیں۔ عربی فارسی کتب کی تحصیل الہ آباد اور لکھنؤ میں حاصل کیں۔ اردو فارسی ۱۰۰ میں کی مجلد لکھ کر رکھ چھوڑے ہیں۔ ۱۰۰ انھوں نے بہت حالات شیخ (ناسخ) کے لکھ کر گرانبار احسان فرمایا جو.. طبع ثانی میں درج.. ہیں.. ناسخ کا حال لکھنے لکھتے کہتے ہیں: ”دو دیوان خود لکھ کر مجھے دیے، ایک مہر عتیق پر کھد کر مجھے دی“ ص ۳۳۱ + ”پہلو ان سخن (ناسخ) زور آزمائی کے چرچے اور درزش کی باتوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔ رنجی.. کے والد بھی اس میدان کے جو امر دتھے.. اس لیے محنت کے چنگلے گرم رہتے تھے“ ص ۳۳۸

میرے نزدیک اس کی بہ نسبت کہ خود رنجی اس کے مصنف میں یہ زیادہ قرین قیاس<sup>۵</sup> ہے کہ یہ ان کے کسی بھائی کے رشحات قلم سے ہے۔

اس تذکرے کا زمانہ تصنیف اس میں مرقوم نہیں، لیکن اس کے بعض مندرجات کی مدد سے ایک حد تک اس کی تعبیر ہو جاتی ہے۔ اس کے احقار کی بنا پر یہ فرض کرنے ہوئے کہ مصنف نے لے دو چار دن سے زیادہ میں نہیں لکھا ہوگا، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ۱۲۴۲ھ کے بعد اور رجب ۱۲۵۱ھ سے پہلے وجود میں آیا ہے۔ وجہ یہ ہے: (۱) مصنف نے محمد الدولہ (آغا میر) کو ص ۹ میں ”مرجوم“ لکھا ہے اور ان کی تاریخ وفات

۴۔ سخا ز میں یہ مرقوم ہے کہ رنجی سے سال آغاز شاعری لکھتا ہے اور وقت تحریر سے (جس کی تعبیر مشکل ہے) چار پانچ برس قبل اسی سے زیادہ کی عمر میں وفات۔ یادگار ضمیمہ میں عمر ۸۰ سال کے قریب۔

۵۔ ناسخ کے مولد کے متعلق اس تذکرے میں جو کچھ مرقوم ہے وہ اس سے مختلف ہے جو ارادے اس باب میں رنجی کے حوالے سے لکھا ہے۔

۶۔ کلیات میں ناسخ کا قطعہ تاریخ وفات ہے، لیکن غلط لکھا ہوا ہے، میں نے مفتاح التولذخ میں اسے صحیح نقل کیا ہے۔ مادہ یہ ہے: ”دو شنبہ پنجذی الحجہ اولیٰ“ باقی ص ۱۰ پر

۵ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ ہے۔ (۲) مصنف نے سعادت یارخان، رنگیں کے باندہ میں ملازم نواب ہونے کا ذکر کیا ہے اور ان کا شمار زندوں میں کیا ہے۔ ان کا انتقال جمادی الآخرہ ۱۲۵۱ھ میں ہوا ہے۔

اس تذکرے میں ۴۱ شاعروں سے متعلق عبارات نشر اور ان کے اشعار منتخب ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۷۵۷ ہے۔ سب سے زیادہ اشعار ناسخ کے ہیں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ مصنف کے والد کے ناسخ سے گہرے تعلقات تھے اور یوں بھی ناسخ اس زمانے میں دبستان لکھنؤ کی سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے تھے۔

مصنف کا نقطہ نظر اور طریقہ تذکرہ نگاری محققانہ نہیں، اور اس کی عبارت داری بھی نقائص سے مبرا نہیں۔ بد قسمتی سے کتاب کا کاتب بھی بد املا اور غلط نویس ہے۔ متن بہت بڑی حد تک ن کے مطابق ہے۔ قلمی نسخے اور نسخہ مطبوعہ کے اختلافات حسب ذیل ہیں:

(۱) ن میں اگر کوئی لفظ یا حرف صریحاً کاتب سے چھوٹ گیا ہے تو نسخہ مطبوعہ میں اسے قوسین کے اندر درج کیا گیا ہے (۲) ن کا کوئی لفظ کسی وجہ سے ضائع ہو گیا ہے یا بالکل پڑھا نہیں جاتا تو اس کی جگہ نقطے دے دیے گئے ہیں (۳) اغلاط اطوار دست کر دیے گئے ہیں (۴) ن میں کچھ رباعیوں اور قطعوں سے پہلے لفظ باغی مرتوم ہے، یہ بالائزما حذف کر دیا گیا ہے، اور جا بجا سے اشعار کے قبل جو ”از دست“ کے الفاظ ہیں نکال دیے گئے ہیں (۵) اشعار کی تعداد ن میں نہیں، نسخہ مطبوعہ میں میں نے بڑھائی ہے۔ اغلاط طباعت کی تصحیح غلط نامے سے کر لی جائے، تین اغلاط کی طرف ناظرین کی

بقیہ حاشیہ ص ۷ سے آگے۔ ۱۲۴۷ھ کی تاریخ فرد کے قطعہ (مفتاح التواضع) اور صاحب تاریخ مختصم کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ معتمد الدولہ کی وفات نصیر الدین حیدر (سال جلوس ۱۲۴۳ھ) کے پانچویں سال جلوس میں ہوئی۔

گلشن پیار و روز روشن۔

توجہ خاص طور پر منقطع کرائی جاتی ہے: (۱) تعداد اشعار سودا دنا نسخ غلط ہے۔  
(۲) سودا کا ایک شعر تھوٹ گیا ہے (۳) شاعر ۳۸ کا نام غلط ہے۔

حواشی میں مصنف کے ان اغلاط کی جن کا مجھے علم ہے تصحیح کی گئی ہے، مگر محض لفظی استقام سے زیادہ بحث نہیں کی گئی ہے۔ خاص خاص شعرا کے حالات اور کلام میں اضافہ بھی کیا گیا ہے اور تذکرے کے اشعار اگر کہیں اور مختلف طور پر نظر آئے ہیں، تو اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مگر اس کا التزام نہیں۔ بعض امور سے متعلق متضاد اقوال ملیں گے بغیر اس کے کہ تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ ہم شدہ مواد کی کمی کی وجہ سے ہے، یا اس لئے کہ کئی بات ہر جگہ غلط ہے اور اس کی تردید غیر ضروری۔

نہرست سے یہ معلوم ہوگا کہ کس شاعر کا حال اور کلام اور اس سے متعلق اشخاص کا ذکر کہاں کہاں ہے۔



۳۲ مہر مرزا حاجی (در اصل قمر) ۱۷	۲۲ بیمار، زین العابدین، ۱۲، ۵۵، ۵۴
۴۷، ۷۰، ۸۰، ۸۵، ۸۴	۷۹، ۸۲، ۸۵
۳۳ رنگیں ۱۷، ۷۰، ۷۰، ۷۰	۲۵ اعظم، اعظم علی بیگ، ۱۲، ۱۵، ۵۴
۳۴ ہوس ۱۷، ۷۰، ۷۰، ۷۰، ۸۴	۷۷، ۸۰، ۸۵
۳۵ یاس، الوز علی ۱۷، ۷۰، ۷۰، ۷۰، ۸۱، ۸۴	۲۴ ذاکر، ذاکر علی، ۱۵، ۷۰، ۷۰، ۷۹، ۸۰
۳۶ ناطق بناری ۱۷، ۱۸، ۲۰	۸۵
۳۷ طوفاں، امین اللہ، ۱۸، ۷۰	۲۷ عرفان، محمد عباس، ۱۵، ۱۴، ۵۹، ۵۵
۳۸ ہادی، محمد مہدی (محمد ہادی غلط)	۲۸ قادر کھنوی، ۱۴، ۵۹، ۷۰، ۸۰
۱۸، ۲۰، ۷۰، ۷۳، ۸۴، ۷۰	۲۹ اختر، قاضی محمد صادق، ۱۴، ۵۲، ۷۰
۳۹ رضا، ۱۸، ۱۹، ۷۰	۷۰، ۸۰، ۸۵
۴۰ شہید، محمد بخش، ۱۹، ۷۰، ۷۰، ۸۰، ۸۴	۳۰ اندوہ، علی حسین خاں، ۱۷، ۷۰، ۷۵
۴۱ سوزش، عبداللہ، ۱۹، ۷۰	۳۱ بحر، ۱۷، ۷۰، ۷۰، ۸۰، ۸۵

## محقات

آدارہ = آدارہ گرد اشعار مرتب کی ایک زیر تصنیف کتاب۔

ث = ثنوت، ذ = مذکر، ر = ربوع، ب = م = مقدمہ، ن = کبھی تذکرہ، لہذا اس سے

قطع نظر کہ مطبوعہ یا غیر مطبوعہ، اور کبھی مخطوطہ، کتابخانہ، مشرقیہ۔

ابن امين اللطوفان  
كا

تذكرة شعراء

متبع

قاضي عبدالودود

# تذکرہ شعرا

حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کہ از کلمتین زمانہ و در جمیع علوم و فنون یگانہ بود۔ ۱۲  
مضمون شورش درد آلود است :

اسے درد بہت کیا پر کیا ہم نے دیکھا کچھ اور یاں کا لیکھا ہم نے  
جب آنکھ مندی تھی دیکھتے تھے سب کچھ۔ جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے  
ہم یہ کہتی تھی کہ حق ہو جو دل کو دیوے دیکھیں تو ہمیں دل ہم سے وہ کون ایسا ہے  
سب اک شخص کے ہے زیر قدم سراپنا۔ سچ کہا ہے کہ بٹھے بول کا سر نیچا ہے  
کل جو بھی میں اس کی میں سرٹک رہا تھا پہلوں میرا دل بھی ساتھ ہی کھٹک رہا تھا  
مکتے ایک عالم اس طور ہو رہا تھا جسم امید و تمنا اور دم تک رہا تھا  
اگر تبتہ دل کو اضطرابی آئی شاید کہ اجل مری سشتابی آئی  
بکھرا جاتا ہے نالوانی سے دل۔ عاشق نہ ہوئے مگر خرابی آئی  
دنیا و دین کو اور خریدار لے چلے ہم دل کے آنکھ میں نقطہ یار لے چلے  
تحقیق کیجئے دوزخ و جنت کو سو غلط جاوینگے ہم ادھر کو جدھر یار نے چلے  
جس لیے آئے تھے ہم سو کر چلے تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے  
ساقیاب لگ رہے چل چلاؤ جب تلک میں چل سکے ساغر چلے

میر تقی میر وجود پاکش از دہلی است و بعضے اصلش از کبر آباد میگویند، او آخر بہ ۱۱  
لکھنؤ وطن گزیدہ۔ بالآخر بشاعری برگزیدہ ہند ستاں گزیدہ۔

چھ دنیا ان لٹھوں نے بایاں پہنی ہیں سنتے ہیں روانے ان کے بالے پن کے ابکتے تک چنتے ہیں

تساہب پر اعضا کے آنا بخت ر بگا، انہیں نہ بصورت بنا کر  
 ٹنگ میر جگر سوختہ کی جلد خبر لو کیا یا ر بھر دسا ہے تراغ سگری کا  
 ناز کی ان نبوں کی کیا کہیے پنکھر تو اک گلاب کی سی ہے  
 سرھانے میر کے آہستہ بولو ابھی تو روتے روتے سو گیا ہے  
 پٹھ موج ہوا بیچاں اے میر نظر آئی شاید کہ بہا آئی زخیر نظر آئی  
 دلی کے جو کوچے تھے اوراق مرتع تھے۔ جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی  
 کل پا جو ایک کوسہ سر پر مرا پڑا دیکھا تو اتخوان شکستوں سے چور تھا  
 کہنے لگا سمجھ کے چل لے راقبے خبر۔ میں بھی کبھی کسی کا سر پر غور رہتا  
 میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی ایک مدت تک وہ کا غم نہ رہا  
 صبح تیری شام ہونے آئی مسیر تو نہ سوچا اور بہت دن کم رہا  
 مرزا رفیع، سودا دہلوہیت، چندے بمہا جنت نواب فرخ آباد بسر بردہ، بعدہ

در لکھنؤ مرد:

پرے رہ برق خارا شیاں سے کچھ کو کہتا ہوں اٹھے گا دھیمیاں ہو کر ترا دامن جو یاں اٹکا  
 قبائے بند جو یاں تم نے جاں کھول دیے صبا نے باغ میں جاگل کے کان کھول دیے  
 نہ پہنچے اے شلنے زلفوں کو یہاں سودا کا دل اکا اسیر نا تو اس ہے یہ نہ دے زنجیر کا جھوٹا  
 نہ آنکھوں میں تری جادو نہ ہرگز سحر زلفوں میں یہ دل جس سے ہے دیوانہ محبت کا وہ لٹکا  
 دل مت چٹک نظر سو کہ پایا نہ جائے گا جوں سنگ پھر زمیں سے اٹھایا نہ جائے گا  
 رخصت ہے باغباں سے کہ ٹنگ دیکھ لیں چن جاتی ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائے گا  
 پہنچیں گے اس چمن میں نہ ہم داد کو کبھی جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا  
 ببتلک اشک کا طوناں نہ ہوا تھا سو ہوا تجھ سے جو دیدہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا  
 قابل شانہ ہوئی زلف تری جس دن سے کبھی جو دل کہ پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا  
 سودا کی جو بالیں پہ ہوا شور قیامت خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

جواب میر سوز دہلوی در فن سپہگری کامل و یکتا بود و خط شفیقا خوب مینوشت  
آخر العمر لکنوا آمدہ:

ایک نے سوز سے پوچھا کہ صدم سے اپنے اب بھی طے ہو بدستور کہ گاہے گاہے  
دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک تیر بھر گرم سرد۔ یوں اشدت سے بتایا سر رہے گاہے  
جب کہ کہے تھا میر تیرتہ مرا ہزار حیف اب جو کہے ہے سوز سوز یعنی سدا جلا کرے  
مرحبا مرحبا تعال تعال اے لو آیا ہے اب خدا حافظ  
معنی از اطراف دلایت، صاحب دواویں، در لکھنؤ نیک شہرت یافتہ، شاعر  
(دال) بسیار داشت:

آہ کرنے سے ہے طاقت اپنے جسم ناز کو بے عفا خشک ہے اٹھا مردم بیمار کو  
ہونے پائی نہ دہن سے ترے دشنام تمام جنبش لبی ہی (نے) اپنا تو کیا کام تمام  
ابرو جو جو جم لی کہا تلوار کھائے گا گیسو جو منہ میں لی تو کہا مار کھائے گا  
زراد کیو کہ کس ناز و اداسی پارہا، میسائی موئی امت کو ٹھوکتے سے جلاتا ہے  
کیا جانے کوئی کسی کے جی کی کٹتی نہیں رات جکیسی کی  
گنگیر نے کاٹ کر سر شمع پروانے سے شب جلی کٹی کی  
شاہد رہیو تو اے شب، بحر بھپکی نہیں آ نکھہ معنی کی  
میر انشا اللہ خاں، پسر حکیم ماشا اللہ، خاں، میر بنگالہ ہم نمودہ، در وقت سعادت  
علی خاں نوکر بود، بعدہ حیدر آباد رفت:

آغوش نفور میں جب میں نے اسے مسکا بہاے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا  
ایکے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا کاسہ کوش بریں سارے کا سارا جم گیا  
برف کے کوزے جو بھیجے آپ نے انشا کونج اس کے معنی کہ اب نقشہ تمہارا جم گیا  
عجب سر حچمہ بہت تاب سے ہے آگ پانی پر سنایا چاندنی نے آج دیکھ راگ پانی پر

مجھے جو تیرے میں دھیان زلف یار کا آیا تو مجھ میں یوں لگیں لہرائی جیسے ناگ پانی پر  
تصدیق کرتے ہیں ہم نعمت انوار کو ای انشا اسی اک جوئی روتی، اور اب اس گ پانی پر  
منظر از تلامذہ معصوفی، ایک شعر گوشنزد و حقیر شدہ۔ زندگیش و فنا کردہ معلوم نیست کہ  
اشعارش.. گردیدہ:

رہے منظر منتظر یا رکے یہ دیدے ندیدے ہیں دیدار کے  
جرات زاد بنوم لکھنؤ است۔ در سن نوزدہ سالگی چشمہ ایش رفتہ، اما شعر گوے  
عین بینا بودہ

کوئی ہمارے تغافل شعرا سے کہیو کہ آپ ذرہ نوازی جو ہر دار کر یہ  
تو باوجود تقاضے مرگ و شدت تمنع۔ ہم اور بھی نفس چند انتفا رکریں  
جب نظر بجلی کو وہ چشم فسونسا راہی۔ آتش افسردہ کے مانند بس بجلا گئی  
جب کہ جینا دم غنیمت جلتے تھے آہ ہم موت اپنی شکل کس کس رقیب دکھلا گئی  
اب جو راغیب موت پر رہتا ہوں تو دیکھو فیض۔ زیت بڑھ گئی زیت کی اور ہمت کی ہمت گئی  
اب ڈھٹائی جینے یا اس کو جرات جانے آگئی جی آگئی اب تو طبیعت آگئی  
سنا ہے اس صنم کے بھی مکر ہے کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے  
نصیر دہلوی کہ در آں نواح اعتبار دار دو اکثرے بہ استادی اوقا کل اندہہ کیف:  
کیوں رہستوں کو لگے دیکھ کے پیاری بجلی دامن ابرہہ ڈاکے ہے گنداری بجلی  
چرائی چادر ہنتاب کو جو شب نے جیو پیر کٹورا صبح دوڑنے لگا خود شید گدوں پر  
پانچوں (تو اس کے ناخن پاٹکے چومتا دیتا فلک مجھے جو کبھی ہلال چار

ڈسا ہو کالے نے جس کو کافر تو وہ فسوں کے اثر سے کھیلے

دہان دگیو کا تیرے مارا نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

مگر میں آہ سوناں ہر کور ہی چشم تر پانی الہی دل کدھر جاوے ادھر آتش ادھر پانی

خیال زلفِ تاراں میں نصیر بیٹا کر گیا ہے سانپ نکل اب لکیر بیٹا کر  
 ہے اس نے جو کھینچی دم تحریرِ دوپٹی مانی سے نہ پھر کھج سکی تصویرِ دوپٹی  
 ذوقِ دہلوی از شاگردان پر توقیر نصیر۔ از غزلش جہاں شعر کہ بس رسید  $\frac{10}{10}$   
 بسکِ تحریر کشید:

نشانی کچھ دکھائی دے تو بتاؤں یہاں ٹوٹا نظر آیا نہ اپنے اشک کا شیشہ جہاں ٹوٹا  
 بنے اس عشق کے بازار میں کیونکر بھلا سودا خریداری کو اٹکی اب تو یہ سار جہاں ٹوٹا  
 نہ کر سچی اتنی طبی دل محزون پر اے ظالم نہیں ملتا کسی کا دل کسی سے پھر جہاں ٹوٹا  
 خدا حافظ ہے تیرا ذوق اب کچھ بن نہیں آتی دل محزون کے اوپر ہائے غم کا آسماں ٹوٹا

حضرت شیخ امام بخش، عبد اللہ، ناسخ، مولد شریفی شہر مینو سواد فیض آباد است، و از  $\frac{11}{49}$   
 طفولیت در لکھنؤ تحصیل علوم و تکمیل فنون اوقات حیف بسر فرمودہ و در شعر گوئی شاگردی  
 نمودہ، محلذانی زمانہ عالمِ استادی انرا ختم، شکل نیر عالمِ کتاب خانہ بخوانہ و شہر شہر شہرت  
 دارد کہ محتاجِ تاملش ماندہ، بمقدار نیست۔ بندے از کلامِ فیض نظام ادبی نگارو:

دل سبکِ دھنوں سے اپنا آشنا ہوتا نہیں سنگِ مقناطیس ہرگز کھریا ہوتا نہیں  
 ذبح وہ کرتا ہے پر چاہیے اے مرغِ دل دم پھر مگ جائے تر پنا دیکھ کر صیاد کا  
 ہے تعجب آسماں تفرقہ انداز سے ایک جا ہیں عاشق و معشوق کیونکر داب میں  
 آبرو دالوں کی رہتی ہے یہاں تر دہنی دیکھ لو ہے خشک اور ڈوبلے موتی آب میں  
 بزم سے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ غم بار سگیں جیسے ہو جاتا ہے ہلکا آب میں  
 گو ہر حنفیوں لیے پھرتے ہیں دیواں شہر گو ہے رواں اپنا سفینہ موتیوں کی آب میں  
 چشمِ تریں ہے تصورِ رونے جاناں کا ملام پھنگیلے عکس یاں خورشید کا گرداب میں  
 یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشمِ یار کو جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو  
 خاکساران جہاں کا ہے ادب ایسا مجھے پاؤں رکھتا ہوں ہی اگر سایہ دیوار کو

دی ہے خالق نے ازل سے آبر و تلوار کو  
 مشتاق بدر سے ہیں زیادہ ہلال کے  
 ہاتھ بیٹا بانہ کیا رکھ دوں میں اس کدوٹس پر  
 دل پر دینا کو ہے بیقراری صاف آنسو کے  
 سر سبز سبز ہو جو تر پاپیتال ہو  
 دیکھ لے جوڑا بسنتی جب وہ جسم یاریں  
 آتش رنگ حنا سے رقص میں رکھتی ہے یہ  
 مسی ما لیدہ لب پر رنگ پاں ہے  
 خوب موزوں ہم سے عجب قد بالا ہو گیا  
 اس پیری کی سرد مہری نے رُلا یا جب مجھے  
 خوش ہوا بھولے سے جب دل غم میں یاد آ گیا  
 مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا  
 شوقِ سحرِ بزمِ بیابان جنوں اب کیجیے  
 یاد رشتی میں جو آدہ در دریا کو حسن  
 جی یعنی ہے وہ زلف سیہ فام ہمارا  
 ایسا کوئی گنام زمانے میں نہ ہو گیا  
 اس کی اٹری سا اثر کا ہیکو رکھتا ہے سہیل  
 پاس ہوں لیکن نہ دیکھا ایک دن کھڑا ترا  
 آسماں پہنچا نہیں سکتا حسینوں کو فر  
 ہے فر رگر دوست سے بھی ہو زیادہ اقل  
 یہ آدی ہے کہ برسوں جمالی رہتا ہے

کیوں نہ آنکھوں پر جگہ ہوا بر سے خدار کو  
 دنیا میں قدر رواں نہیں صاحب کمال کے  
 جس کو باز سا پہ کاکل سے درد شانہ ہے  
 عیاں نور شید کا بطرحِ پانی میں تزلزل ہے  
 ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو  
 پھولے کیوں سروں نہ چشمِ رنگس بیا میں  
 سیکڑوں بل پڑ گئے موے میان یاریں  
 تماشا ہے تہ آتش دھواں ہے  
 عالم بالاک اپنا بول بالا ہو گیا  
 اشک جو پٹکامری آنکھوں سے ترالہ ہو گیا  
 فقہہ ہونٹوں تلک پہنچا کہ نالہ ہو گیا  
 آفتاب ایسا ہوا ادنیٰ کہ تارا ہو گیا  
 دانہ زنجیر سے بھی استخارہ ہو گیا  
 دھار خجری مجھے نکا کا دھارا ہو گیا  
 بکھلتے چراغِ آج سر شام ہمارا  
 گم ہو وہ نگیں جس پہ کھسے نام ہمالہ  
 گل سے بھی خوشبو زیادہ نقشِ بادل ہو گیا  
 تیرہ نختی میں تو میں بھی مثل کاکل ہو گیا  
 کب لگا سکتی ہے بجلی ماہ کے خرمیں آگ  
 شبہ ہے اس میں تو کچھ ڈال کر ٹٹن میں آگ  
 وگر نہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے

دیکھنا ہندی ملی اس سبب کی انگلیاں  
 سلوائے مہرے سینے کے کیوں زخم نہ قاتل  
 دل ملک انگریز میں جینے سے تنگ ہے  
 کرتے ہیں ظلم ان معانی کو صید ہم  
 گویا کہ ہے دہن مہی آلودہ یار کا  
 کچھ جاناں دیکھ پائے گل تو گلشن چھوڑے  
 جب میں چاک اپنے گریباں کی طرح کرنے لگا  
 اس پری کی سرکین انگلیوں میں بیونہر ہوا دھار  
 کیا چمکتے ہیں پریر و تیرے گوہرکان میں  
 بو تری زلفوں کی جاتی ہے جو اکثرکان میں  
 میرے نائے سن کے تاتھا کبھی دل میں جو دم  
 تیرے جاتے ہی ہوا رنگ چمن ہو جائے گا  
 بام پرنگے نہ آؤ تم شب مہتاب میں  
 رورو کے داغ گنتے ہیں ہم بھریار کے  
 ہو جائیں خوب لال بھجھو کہ سے ہاتھ پاؤں  
 باندھوں میں تیغ ابروے خمدار کا خیال  
 عریان دیکھ کر جو پلٹنے کو میں ہوا  
 اس کے بدن کو ہاتھ نکاؤں یہ کیا مجال  
 ہے جو ہیں تدبیر اداں عالم اسباب میں  
 جلوہ دندان جاناں ہوا ہوں میں ہلاک  
 رات بھر ترپے فراق یار میں ہم اس قدر

سیم کا سار ابدن ہے اور زر کی انگلیاں  
 ان راہوں سے میرا دل بسمل اسے جھاڑ کا  
 رہنا بدن میں روح کو فید فرنگ ہے  
 خامہ ہمارے ہاتھ میں گویا تنگ ہے  
 اس درجہ ہائے میرا صیہ خانہ تنگ ہے  
 نکمت گل بھی صبا کا بلکہ دامن چھوڑ دے  
 نہیں چلا یا مرے صحر اکا دامن چھوڑ دے  
 دیکھ کر مجھ کو نہ کیوں پلکوں کی چلن چھوڑ دے  
 ہے یقین ایسا نہ ہوگا کوئی جو ہرکان میں  
 میل ہو جاتی ہے رشک مشک و عنبرکان میں  
 روئی اب رکھنے لگے وہ ستمگرکان میں  
 برگ گل جو ہے وہ برگ یا سمن ہو جائے گا  
 چاندنی پڑ جائے گی میلا بدن ہو جائے گا  
 یہ قطرہ ہائے اشک ہیں دانے شمار کے  
 ہندی لگا کے باندھیں پتے چنار کے  
 یوں تو نہ کٹ سکیں گے یہ دن اشک کے  
 توری چڑھائی آپ نے کپڑے آثار کے  
 ہے مختم جو بوسے ملیں پشت خار کے  
 ناوکا غنڈ کی بہائیں جیسے اطفال آب میں  
 مجھ کو قسمت نے ڈبو یا موتوں کی آب میں  
 پڑ گئے جھپٹے ہزاروں چادر مہتاب میں

سالکوں کو کوئی آفت سدہ ہوتی نہیں  
 پھدیاں پھنتے نہ دکھیں حلقہ گرداب میں  
 لکھ گئی رنگت سنہری یوں دل بیتاب میں  
 جس طرح سے ڈوب جاتا ہے طناب میں  
 شمع ساں منہ ہے جو اس صیاد ماہی گیر کا  
 دوڑی آئیں جتند تھیں پھدیاں تالاب میں  
 پڑ گیا ہے چشم ساقی کا کہیں دریا میں عکس  
 ورنہ یہ گردش کہاں سے آگئی گرداب میں  
 یار کی خمیریں ادائی کا جہاں میں شور ہے  
 پور جانا گلی کی ہے وہ نیشکر کی پور ہے  
 شب پر وارہ عجب کیا گر جلے اس کا پتنگ  
 رشتہ شمع آتش رنگ خناسے دور ہے  
 طوطی ہے گفتار میں گانے میں موسیقار ہے  
 کبک وہ رفتار میں ہے ناچنے میں مور ہے  
 رات دن تن پروردی ناسخ ہے دشمن پروردی  
 گوشت سارا ایک دن ذوق دہان گو ہے  
 ہونی یاں آمد و رفت نفس بند  
 گل ہی کیا مجروح ہے تیغ نگاہ یار کا  
 ہو گیا ہوں فرقت جاناں میں ایسا ناتواں  
 کر گئی ہے ہمیں اک مست کی ٹھوکر بیہوش  
 میں جو رونے کو تم بھر میں کل بیٹھ گیا  
 اڑا کر وہیں گردوں کا محل بیٹھ گیا  
 سیلاب روال ہے چشم تر سے ہر دم  
 سوتے نہیں ہاک آن شب بھر میں ہم  
 کس طرح پلک پلک سے لگائے کبھی  
 ملتے نہیں دریا کے کنارے باہم  
 رہنے کو عجب مکاں ملا ہے اے یار  
 ہر سمت سے خال آتی ہے واں ایل و ہنار  
 کرتا ہوں کسی خط میں نامہ تحریر  
 ہو جاتا ہے بعد لکھنے کے خط غبار  
 تصویر صدم میں کراے کلک از ل  
 یہاں ہے نگہ سے یا نگہ کہے خلل  
 جز عالم غیب کون جلنے یہ راز  
 لکھے موسیٰ پڑھے خدا سچ سے مثل

خواجہ وزیر، وزیر تخلص، وطن مبارکش لکھنؤ است، شاگرد درشدناخ و استاد  
 فقیر محمد خان، رسالہ دار، گویا تخلص، غزلیہائش دیدہ ام، سراپا مرصع، چند شعرا کہ

بیاد است مینولسیم :

جالور جو ترے صدمے میں رہا ہوتا ہے اے شہ حسن وہ چھٹتے ہی ہما ہوتا ہے  
چوتھا ہوں لب شیریں وہ خفا ہوتا ہے کیا تنگر رنجی جاناں میں مزا ہوتا ہے  
کیا کہوں حال صنم اپنی سیہ بختی کا میں وہ سرمہ ہوں جو نظر دکھ گرا ہوتا ہے  
پوچھے اب دہن زخم سے میرے اگدن پھل میں تلوار کے قاتل جو مزا ہوتا ہے  
وہ زلف بستی ہے تاب و دل و قواں اپنا اندھیری نات میں لٹتا ہے کارواں اپنا  
کسی کو دیکھے ساتی جو بھو اس ہوا شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

۱۳ یک مطلع از فقیر عمد خاں، گویا کہ صاحب دیوانست یاد دام، بہ حیز تحریر میگذازم :

کان میں بالا گلے میں طوق اور زنجیر ہے کیا پری حسن مفید کی کچی تمہویر ہے

۱۴ مرزا محمد رضا، تخلص بہ برق، مردم پر اخلاص و ذی استعداد در بلدہ لکنؤ مورود

اعتماد شخص و ضعدار شجاعت شعار باوقار راست، شاعر ہندی زبان بسیار دارد،  
از ادائل مشورہ را بشیخ امام بخش عبداللہ ناسخ سے ارد۔ دو یک شعر او کہ گوش خورہ  
طرح تحریر سے ہم :

پہیں نہ محو تجلی اگر شراب ملے نہال طور کہ ممکن نہیں کہ آب ملے

بیکے میرے دل پر داغ کو دہ کہنے لگے ہم نے طاؤس پہ گلدار کبوتر مارا

پینچنے کی سبزہ خط کو نہیں حاجت ہے برق چاندنی کے طہیت کو کیا احتیاج آب ہو

۱۵ میر علی اوسطا رشک تخلص از شاعر دان معتمد حضرت شیخ عبداللہ، ناسخ وار پسران

میر حسن دہلوی صاحب مشنوی۔ کلامش بطیف و مضمونش تازہ، بالفعل در کاپور تشریف

میدارد، اکثر شریک مشاعرہ مرزا برق سے شد، چون کارکن فاستاد امین الدولہ مہر تخلص

پسر میں نواب معتمد الدولہ مرحوم است در لکنؤ گہ گاہ رونق افروز میشود۔ دو شعر از

غزلش یاد است :

ہندی گم کے باندھے جو پتے ازند کے ہم بدگمان سمجھے کہ ہے ہاتھ ہاتھ میں  
 منظور ہوئے گریہ قدرت کا پشت خار سکھلا کے رکھیے آپ مرے ہاتھ ہاتھ میں  
 مرزا کلب حسین خاں، نادر تخلص بہ ہنگامیکہ در لکھنؤ بہ معاصرت امیرے بود از خواہ  
 حیدر علی، آتش اصلاح میگرفت و باز در الہ آباد از شیخ ناسخ یک سال شاگردی کرد  
 دریں روز ہا بنواح نمازیہ پورا است:

دل میں ہوس زلف چلیپا نہیں رکھتے ہم سر نہیں رکھتے کوئی سودا نہیں رکھتے  
 ہم دیکھ لیا کرتے میں لے جاں در دل سے گو روزن دیوار کو (تم) وا نہیں رکھتے  
 فرقت میں دھیان دل کو جس رشتک ماہ کا ہنتاب بن گیا ہے دھواں دود آہ کا  
 بہر خدا تو اے رسن زلف کیلینچے لے مدت سے میں غرق ہوں غنچ کے چاہ کا  
 اس طرح لب پہ یار کے جلوہ (ہی) خال کا کوثر پہ پیسے ہو قسے نشیمن بلال کا  
 دست و بازو پہ نہ تکلیف دے لے یار عبث تجھ پہ ہم مرتے میں خود کھینچ نہ تلوار عبث  
 اپنے اشکوں کی لڑی پر ہوں میں نازاں .. تو دکھاتا ہے مجھے موتیا کا ہار عبث  
 ... ہمارا دل شیدا نہیں ہوتا جب سلسلہ زلف چلیپا نہیں ہوتا  
 ... مجھے دیکھ کے وہ رشتک مسیحا بیمار محبت کبھی اچھا نہیں ہوتا  
 ... ہوئے سودا ئی ہوئے جان سے گزر کے جی جب کہ الجھتا ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا  
 ... .. کان کا جو گوہر آفتاب .. تو بے سپہر کے سب اختر آفتاب  
 اعلیٰ کو اسفلوں سے پہنچتا نہیں گزند شبنم سے ایک دن بھی نہ دیکھا تر آفتاب  
 موبان سے تمہاری کے بیتاب برق کی دکھلایا رخ جو تم نے ہو امضطر آفتاب  
 قدر کس درجہ بڑھاتا ہے طلا زنجیر کی آرزو رکھتا ہے اب اس کا گلزار نجر کی  
 رہا جو رات کو وہ سبزہ رنگ چھاتی پر ہرے ہوئے مرے زخم خدنگ چھاتی پر  
 خواجہ حیدر علی، آتش از شاگردان نامی میاں مصحفی کہ الحال درآں دیار امتیاز و

اعتبار دار و بلکہ مانند ماہ میرزا مشردش و چون زبانہ آتش شعلہ زنت است۔ اشعار منتخب از دوست:

خدا سر دے تو سودا دے تری زلف پریشاں کا جو دیدہ دے تو نفاہ ہو ایسے سبستاں کا  
 سودا ہوا ہے مرغ بہتوں کے شکار کا بھنڈا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا  
 تشبیہ نئی طرح دوں زلف رسا کو اترا ہوا چلے کہوں ابرو کی کہاں کا  
 جگہ مطلع کے کچھ ایں گے نقشہ روے جاناں کا کہ تا ہوا مطلع خورشید مطلع اپنے دیوان کا  
 یہ کس رشک میجا کا مکاں ہے زمیں جس کی چہارم آسماں ہے  
 سرمہ منظور نظر ٹھہرا جو چشم یار کو نیلگوں گنڈا پنچا یا مردم بیار کو  
 قریبوں سے دوکھ امید استمداد کی ہرگز نکالانا سخن پلنے کہاں خار کف پا کو  
 وہ منصف ہوں کبھی میں نے پڑھا جو سورۃ یوسف تو بخشا پھر ثواب اس کا میں روح زلیخا کو  
 تری زلفوں نے بل کھایا تو ہوتا زرا سنبل کو ٹھکرایا تو ہوتا  
 اکڑنا بھول جاتا سر و شمشاد یہ (قد) بوٹا ساد کھلایا تو ہوتا

دوست علی، نام حلیل تخلص از شاگردان رشید آتش است فی الجملہ ۱۸

مقرب و محترم است،

سامنا کرتا ہے تیغ ابرو و خمدار کا آئینہ پہنے ہے کیا چار آئینہ فولاد کا  
 ہدایت علی، جلیل تخلص از تلمیذان آتش است، بسیار خوب میگفت، انکوں ۱۹  
 بہ نقیری مائل است؛

کنشت دل کو مرکہ کعبہ حلیل کیا ذلیل تھا پہ خدا نے مجھ جلیل کیا  
 شاہ محمد علیم، الہ آبادی کہ دروانست فارسی بہتا و زہد و نقیری یکتا بود، پر دو ۲۰  
 زبان میگفت، حیرت تخلص داشت؛

آئینے سے جب گرمی بازار کرے ہے عکس اپنے کو اپنا ہی خریدار کرے ہے

ہے خندہ لب سے نو عیاں وصل کا اقرار  
بر حشم کی چشمک تری انکار کرے ہے  
سن کر کے خبر تری مسیحا نفسی کی  
تو آپ کو مردہ کوئی بیمار کرے ہے

مولوی غلام یسین خاں، مدظلہ، خاں تخلص، از عمدہ ذوق و فنون روزگار و سرکردہ  
ہنرمندان با اعتبار، شخص فاضل و مردم کامل، لایستاد در علم ریاضی و فواید و فنون  
بے بدل۔ پنج شش کتاب از نابینا با صواب ادست۔ کتب علوم در ہارس و لکھنؤ  
کردہ و درس ہیچہ سا لگی اکثرے از کمالات بدست آوردہ با فقیراں و وضع درویشا  
اختلاط دارد و با طلب و مسکیناں ارتباط۔ از خاک پاک الہ آباد است و استاد من  
ہیچکارہ بے بنیاد۔ فارسی و عربی و ہندی نیکیو میداند۔ اشارش دل را مخطوط میگرداند

اگر ہی ہے تب علم سے مرے تن میں آتش  
کیا عجب ہے جو بھڑک اٹھے سخن میں آتش  
استخیاں یوں مرے جل جل کے چلتے ہیں بیٹھے  
جس طرح سے کہ لگے بانس کے بن میں آتش  
رخ بھجوا کا سا جو غیروں کو دکھایا توڑی  
اس شرارت سے لگی میرے بدن میں آتش  
خان دل سوختہ کی دل میں نہیں اگر نکلے  
پھر کہاں سے نکلتی ہے سخن میں آتش  
یاد رو سے یار میں فرصت کسے تقریر کی  
ہے تصور اس قدر حاجت نہیں تصویر کی  
منہ سے تو ہنستے ہیں لیکن کہنے میں نثر تری  
ہیں جو یہ ابرو کماں رکھتے ہیں نصیحت تری کی  
گر نہ ہوتی چشم عاشق ہوتی شمع حسن گل  
دیکھ لو آنکھوں سے آنکھیں شکل میں گل کی  
منہ پھیلنے کی جو تم نے زلف سے تدبیر کی  
ہم سے دیوانوں کو طہر خواہش ہوئی زنجلی  
گر نہ رکھوں آرزو ظالم تری تصویر کی  
دل لگی ہو کس طرح عجب عاشق دلگیر تھی  
آہ و نالے روز و شب کے ہو گیا سن کرفضا  
آہ و نالے روز و شب کے ہو گیا سن کرفضا  
سوتی سے خستہ خاطر و عریاں بدن ہوئے  
ناحق وطن کو چھوڑ کے ہم بی وطن ہوئے  
واللہ ایک بات نہ نکلی زبان سے  
ناحق کو تنگ ہم سے وہ غنچہ دہن ہوئے  
جب دکھائی نہ دیا باغ میں دلبر ہم کو  
صورت آہ نظر آیا صنوبر ہم کو

شوق دیدار نزدیکہ ازل سے حق نے  
نخل بند مینستان محبت نے صنم  
دل بیمار کہے ہے نفس سرد سے خاں  
یہ خلق کہتی ہے میرا جو داغ جلتا ہے  
زندگی باقی ہے تو مجھوں کے مسکن جائینگے  
لوگ کہتے ہیں مجھے شادی تو کر  
تیری آمد جب نہیں کانوں گے اے مہیار ہم  
برسات میں پانی جو خبر تیرے سفر کی

شاہ محمد علی مبرور مغفور، نجف خلص، پسر مہین شاہ محمد علیم اللہ آبادی شعرا سی - ۲۲  
نیز بسیار خوب در غروب بچو اسانڈہ زباناں فکر میں نمود، بزبان ہندی دیوان و مثنویا  
دارد۔ شاگرد دقی، میرا مست:

دیکھنا تجھ کو بھر نظر ہم کو محال ہو گیا  
لگتا نہیں جی اپنا، اچکے جہاں بیٹھیں  
جو خطرہ داشت کاموتی تھا سو گلگوں ہوا میرا  
غم ٹھن کی طرح سے لگا کھلنے مرے دل کو  
یہ روگ دیا کیسا خدا نے مرے دل کو  
بھلا یا مجھ غریب و ناتواں کو  
دانت اس کے جب اس بہار کے ہوں  
دانت کھٹے نہ کیوں انار کے ہوں

مظلوم شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، مظلوم ملزوم المطلق، مردم کہنہ شوق و جہان فیدیہ - ۲۳  
شیریں کلام، کلیم آسا خدا ہے حق و علیٰ ید بیضا بلسان نش عطا کر دانیہ۔ موطن مبارکش در  
قرب و جوار بارہہ، از مدتہا بہ این اطراف آمدہ، چندے بسیر و صحبت لگنو گذرانیدہ و از  
عمرے سکونت پذیرا الہ آباد گردیدہ۔ مشورہ شہر ش بھصنی بود:

کلمِ عمر ہوں کثاف سرسبز ترانی کا چراغ (طور ہے مطلع مرے دیوان ثانی کا  
شبِ نقور میں جو اس کا معہوف رخسارہ تھا حافظ قرآن میرا یہ دل سپارہ تھا  
کشتہ ہے جہاں دفن تری قندق پا کا سبز کی جگہ اگتہ ہے واں نخل سنا کا  
زلف آشفق نہ چھونا شائہ تیرہ دروں جمع اسباب جنوں ہے رایگاں ہو جا بیگا  
تحت اشرفی سے دیکھا تا عرض لامکاں ہے حیراں ہوں یا خدایا میرا مکاں کہاں ہے  
خال آشنا ہے دیدہ جادو طراز کا ہندو نیچے سے رام ہے آہو حجاز کا

۲۲  
۵

میرزین العابدین مرحوم متوطن اللہ آباد بیمار تخلص، دیرگاہ سررشتہ دار عدالت  
اللہ آباد بوجہ، در آخر منشی خاص نائب والی لکھنؤ نواب فضل علی خاں شدہ۔ چوں کارش  
برہم خورد و درخت ہستی بعالم بقا برد باز بوطن آمدہ، بیکار نشستہ، بی مغلاقی علمہ نواب  
مغفور دگر طلب کرد، در فرخ آباد بجارفتہ فارغ درگذشت۔ خدایش بیامرزو۔  
غالباً شاگرد میر باشد۔

آئینہ معاصب ہوا شانے کی بن آئی بگرہای مری اور سارے زمانے کی بن آئی  
زبان رات جو اس کی مرے دہن میں رہی تو صبح تک وہی ہر اک سخن میں رہی  
یوں چمکنے ہیں وہ دندان لب خدا کے تلے جس طرح سلگ گہر لعل بدخشاں کے تلے  
وقت مرنے کے یہ عیاد سے بلبل نے کہا دفن کیجو مجھے دیوار گمستاں کے تلے  
نفس بیمار پے قاتل بھی کھر (۱) رونا تھا لب نازک کو دبائے ہوئے دندان کے تلے

۲۵  
۱۰

مرزا، عظم علی بیگ، اعظم تخلص از ساکنان بلدہ ارم بنیاد اللہ آباد سخنش پاکیزہ  
و چست و عبارت و مضمونش بہتر و درست، مدت ایام بصاحت صاحبان ہنر و صحبت  
کسان پر جو ہر بسر ساختہ و بشعر گوئی ہو سہا در باختہ۔ فصاحت کلاش از برکت معصی  
است، یعنی شاگرد آتش است؛

قطع کی مذکورہ اشعار نے حقیقت تیری بات کاٹی ابروؤں کے ذکر نے شمیر کی

ہو تیارانہ یہ دیوانوں نے کیا دبیری  
اس پر پروتک ہی پہنچائی مدد از بخیر کی  
لوگ کیا چین سے سو رہتے ہیں سارے شہ کے  
ہم میں اب بستر غم گنتے ہیں تارے شرب کو  
پیسو گئے کس کے دل کو تم اے جاں دم خرام  
اپنا تو کام پاؤں اٹھاتے ہی ہو گیا  
باد غم رنگ ہوشیہ میں ساغر ساتھ ہو  
سنتے ہیں آتا ہے قابل سیر زنداں کے لیے  
عید قربان کی خوشی ہو دے جو تاجر ساتھ ہو  
واہ ری زرقی رزاق و نشان پرورش  
طفل پیدا ہو تو پیدا شیر.....  
خلمیں گندم کے ہونے سے ہمیں تاب نہ ہوا  
آدی ہو دے جہاں رزق مقدر ساتھ ہو  
مرجاں بھی اپنا پنچہ دانوں سے کاٹتا ہے  
یا قوت لب کے آگے ہونٹوں کو چاٹتا ہے  
روز روشن سلمین میرے سبب تاریر تھا  
دھیان تیری کا کل شہزنگ کا اندھیر تھا

مولوی ذاکر علی مسکنش بلدہ محمد آباد بنارس ڈاکٹر تخلص 'مردم قابل و خلیق ہندی' ۲۶

فارسی ہر دو میگوید۔ کلامش وضع نمود دار و بہ نقلش سے یہ دازد:

آگ ہوا وہ سمج تجلی غیروں کے بھرکانے سے  
کام ہے اب آغوش میں لینا سیکھیں گے پروانے سے  
شیشہ ٹوٹا یار سدھارا وحشت ہے پیمانے سے  
اے دل کب تک تنہا رہیے اٹھ چلیے میخانے سے  
خام خیالی ہے گردوں کی کیا کیا بن کے بگڑتے ہیں  
چشم زدن میں خواب ہوئے ہیں کیا کیا لوگ زمانے سے

یا تو مرہا کر عطا مجھ خستہ دیدار کو یا بدل دے یا الہی سینہ افکار کو  
غسل میت اتک سے لیلیٰ نے مجنوں کو دیا لے گئے آنکھوں پر آہولاش قیس زار کو

میر عباس عرفان از سرزمین پر تنگین لکھنؤ است۔ چند سال رفت کہ در بنارس۔ ۲۶

اقامت دار دو بہ مصاحبت شاہزادہ ایام میگذارد۔ طبیعتش را چہ گویم چہ قدر جوانانی

است و تشریح بغایت آبداری و روانی :

ظالموں کا مسکوں کے دل میں گھر بنایا ہے  
 دو ست شکن میں برابر چرخ کج رفتار کو  
 اس قدر آپ کو دودھ لے بت خونخوار نہ کھینچ  
 میں نخل جھا ہوں جو کہیں سر مرا کٹ جائے  
 آہستہ ہنسیں گل سر بالیں پہ ہمارے  
 دو تین بے کا ذکر و مو اس کر وعدہ نہ منگل کا  
 چاہت کا حرف میرے دہن سے نکل گیا  
 کس نے نکالا کھچے سے ادب باش کے تئیں  
 جا کے گلشن میں سے دو پھول اڑا لائے گی  
 سراٹھادیں گے نغینے ترے آگے اگلے  
 قادر لکھنوی، استاد میر عباس عرفان، حاشیہ معلوم نیست، مطلعیکہ بمن رسید محرم

۲۸

گردید:

ندامت بدلی نے دی مجھے اس طالب دل  
 محمد صادق، اختر قاضی زادہ، گلی است چند مدت در عہد خلد مکاں نواب غازی الدین  
 حیدر خاں در لکھنؤ ملازم سرکار فلک وقار ماندہ، چنانچہ منافق حیدریہ در آں ہنگام  
 تالیف فرمودہ، بالفعل در ضلع کانپور تحصیلدار است، فارسی و ہندی ہر دو زبان  
 بہتر میدانند:

۲۹

گھر پر وہ رخ سے دور کرے وہ نقاب کا  
 اک پل میں غرق آب ہو یا ہی سے ماہ تک  
 جلوہ ہر ایک ذرے میں ہو آفتاب کا  
 طوفان اگر اٹھے مری چشم پر آب کا  
 خراب آباد عالم پر خطر تھا اس لیے ہم نے  
 عدم کی راہ پر جا کر اتانا کارواں اپنا

۳۰ علی حسین خاں اندوہ از شاگردان مصحفی بسیار خوب میگوید از غزلش دو شعر یافتم۔  
 حسرت ز مرے دل کی کسی یار نکالی تلوار تو یوں تو نے کئی بار نکالی  
 جس نخل نے کتہے ہے اس رنگ سی کا سوسن کی کلی اس نے کئی بار نکالی

۳۱ بحر تخلص از متوطنان فیض آباد است۔ دریں بحر و زمان در لکھنؤ بوقت علی حسین خاں،  
 اثر فرزند کہیں نواب حیدر بیگ خاں مرحوم است:

۳۲ کیوں خفا ہو مری خطا کیا ہے کچھ تو بولو یہ ماجرا کیا ہے  
 مرزا حاجی فرزند ارجمند مرزا جعفر کہ منشی زید نٹ لکھنؤ بود، مہر تخلص مینماید  
 ایں شعر بندہ است۔ واللہ اعلم

عجب نصیب اور ہماری قسمت خفا جو ہم سے تو بے سبب ہے  
 یہ کیا غضب ہے جو تو غضب ہے ترا غضب تو بڑا غضب ہے  
 ۳۳ سعادت یار خاں، رنگیں، ریختی گو کہ دریں عهد ناقدران و آدان نا پر ساں بچا بکسو اور  
 ملازم نواب باندہ است

تجسس جس وقت کہ خالی یہ مکان رہتا ہے مجھ کو تنہائی میں بہروں خفقاں رہتا ہے  
 میر تقی، ہوس بہ لکھنؤ سخنے مشاق بود، مضمون سوز و گداز میگفت، روزے چند  
 ۳۴ است کہ ازیں وہ ہوس رفت

جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے آگ لگ اٹھنے کاغل روز وہاں رہتا ہے  
 مولوی انور علی مولوی عدالت آ رہے یاس، دوائے کمال و مہارت علم موسیقی  
 ۳۵ شعر ہندی و فارسی میفرمایند

دشمن جاں تو ہمارا ہو گیا ہائے کیا سمجھے تھے اور کیا ہو گیا  
 رنگ زردا و خشک لب چہرہ اداس یاس یہ کیا حال تیرا ہو گیا  
 ۳۶ ناطق از روسائے بنارس است، در قصبہ سید پور تھانہ دار بود، کم گو مت،

۳۰۔ علی حسین خاں اندوہ از شاگردان مصحفی بسیار خوب میگوید از غزلش دو شعر یافتم۔  
 حسرت ز مرے دل کی کسی یار نکالی تلوار تو یوں تو نے کئی بار نکالی  
 جس نخل نے کتہے ہے اس رنگ سی کا سوسن کی کلی اس نے کئی بار نکالی

۳۱۔ بحر تخلص از متوطنان فیض آباد است۔ دریں بحر و زمان در لکھنؤ بوقت علی حسین خاں، اثر فرزند کہیں نواب حیدر بیگ خاں مرحوم است:

۳۲۔ کیوں خفا ہو مری خطا کیا ہے کچھ تو بولو یہ ماجرا کیا ہے  
 مرزا حاجی فرزند ارجمند مرزا جو ہر کہ منشی زید نٹ لکھنؤ بود، مہر تخلص مینماید  
 ایں شعر بندہ سیت۔ واللہ اعلم

عجب نصیب اور ہماری قسمت خفا جو ہم سے تو بے سبب ہے  
 یہ کیا غضب ہے جو تو غضب ہے ترا غضب تو بڑا غضب ہے

۳۳۔ سعادت یار خاں، رنگیں، ریختی گو کہ دریں عهد ناقدران و آدان نا پر ساں بچا بکسو اور  
 ملازم نواب باندہ است

تجسسے جس وقت کہ خالی یہ مکان رہتا ہے مجھ کو تنہائی میں بہروں خفقاں رہتا ہے  
 میر تقی، ہوس بہ لکھنؤ سخنے مشاق بود، مضمون سوز و گداز میگفت، روزے چند  
 است کہ ازیں وہ ہوس رفت

۳۴۔ جس محلے میں ترا سوختہ جاں رہتا ہے آگ لگ اٹھنے کاغل روز وہاں رہتا ہے  
 مولوی انور علی مولوی عدالت آ رہے یاس، دہرائے کمال و مہارت علم موسیقی  
 شعر ہندی و فارسی میفرمایند

دشمن جاں تو ہمارا ہو گیا ہائے کیا سمجھے تھے اور کیا ہو گیا  
 رنگ زردا و خشک لب چہرہ اداس یاس یہ کیا حال تیرا ہو گیا  
 ناطق از روسائے بنارس است، در قصبہ سید پور تھانہ دار بود، کم گو مت،  
 ۳۴

اکس نیکو ست، پیش ماغز لہا خواز یکہ مطلع بیادماند؛

دیکھ کر پوئی ہے جبریت ہم کو چشم یار سرخ آج تک دیکھا نہ رنگ مردم بیمار سرخ  
جناب والد ماجد خودم کہ این اللہ نام و طوفان تخلص دارند، گوش من ارادت  
نیوش از غزل دو شعراست، رنگ تسطیر میریزم اگر چہ گہگہ، فکر میفرمایند، یکن بحر حلال  
مینمایند۔ ولہ ہذا

فقہا بجا دل سے الجھنا اپنی طبع تیز کا ہو گیا پابند آخو زلف عنبر بیز کا  
ایک ٹھو کر تو لگان خفنگان خاک کو ہے بہت شہرہ لب شمس الحق تبریز کا  
میر محمد ہمدی، ہادی تخلص از عمائد شہر پرنور جو پرنور خلق برگزیدہ دو صغہ سفیدہ دارند  
آستانے دستہ اند کہ دوران را بضبطہ سہو نمیگذارند درین روزگار بے بنیاد در  
اکبر آباد بخدمت عموعے خودشان کہ آن بزرگوار وکیل مدرد دیوانی هستند تا تحصیل  
علوم سانحہ سوائے کمالات ذاتی و صفاتی خاطر از تفکرات زمانہ پرداختہ، دست و پا  
در بحر فکر اشعار و مضامین ہم میزنند دیراے اصلاح بخور افاہنت بخور شیخ مستند ہندیاں  
تاسخ زبان باستان روانہ میکنند:

گر شب عید جدا مجھ سے وہ ہمدم ہو جائے ماہ شوال مجھے ماہ محرم ہو جائے  
بار پھولوں کا پڑے جو گلے میں اسے گل کیا عجب گردن نازک کو تری تم ہو جائے  
بہنی منبر ہے تو رخ کعبہ ہے ابرو محراب ذقن اس بت کا الہی چہ زمزم ہو جائے  
ہوئیں بادام آنکھیں اور ذقن اس گل کام لب تشقا لوموئے اور سیب غنوب ہو گیا  
یلے تاثیر زناکت وصل کی شب اے صنم نیلگوں بوسے کے حد سے تر لب ہو گیا

رفا ثنا کر دمرنا کلب حسین خاں، نادر کہ او صافش بالا گذشت از غزلباش

پنج شعراست:

ہو اے فصل دے ہے بر ہے پھولوں کی خوشبو ہے چین ہے یار ہے سبز ہے صہیا ہے لب جو ہے

شب بھر صدم (ہے) نیند کیا آئے مجھے یا رو  
 فلق ہے رنج ہے غم ہے رواں اکھوں سے آنسو ہے  
 گل رخسار جاناں کی طرح ہرگز کسی گل میں  
 زندگی ہے نہ رونق ہے نہ خوبی ہے نہ خوشبو ہے  
 نہیں ہے زلف پیچاں بچہ گل رنگ جاناں پر  
 نظر آتا ہے لپٹا صاف کالا شاخ مر جاں پر  
 جو ابرو کا اشارہ تم کر دگے غیر کی جانب  
 گلار کھدوں گا میں اپنا دم شمشیراں پر  
 از تلامذہ معزز و رشید اسوۂ اساتذہ شیخ ناسخ، مولوی محمد بخش، شہید خیلے ۳۰  
 رنگیں طبیعت و ذہن سلیم و راے رزین یافتہ و عنان را بوادی طرز عاقلانہ یافتہ۔ بندہ  
 کلاش در مشاعرہ ہاشمیدہ مگر یک مطلع جاگیر حافظہ گردیدہ:

صبح سے لے کر شام تک جاناں تم کو زیبا پیش ہے  
 شانہ ہے مشاطہ ہے آئینہ ہے آرایش ہے  
 عبداللہ، سوزش تخلص خلف حکیم مرزا حیدر صاحب، اصل مولدش شہر لکھنؤ از چند  
 سال در بنارس توطن اختیار کردہ:

سرخ پانوں کی جو بہاے کماندار میں ہے  
 لالی تو میرے لہو کی لب سونو فار میں ہے  
 تیرنگہ پر وہ نشیں دل پہ لگا ہے  
 اس واسطے زخم اس کا دکھا دیا، نہیں جاتا  
 دیتا ہے تیرا عکس تیرا رخ انور آب میں  
 پیدا ہوا ہے یا کہ کوئی اختر آب میں  
 ہیں بہر زیب پہنے جو اس بحر حسن نے  
 دریا سے بھی نکل کے رہے گوہر آب میں  
 سوزش کو جل کے شدت گریہ میں دیکھ لے  
 دیکھا نہ ہوئے جس نے کبھو اختر آب میں

## حواشی

یہ بڑا مالذ ہے کہ درد "جمیع علوم و فنون" میں "یکانہ" تھے ۲ رباعی اسے دروازے کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ کے قلمی نسخہ ہائے دیوان اور دیوان مطبع نو لکشور میں نہیں، لیکن تذکرہ میر حسن و گلزار ابراہیم وغیرہ اور مطابع کبیری و محمدی و نظامی کے نسخوں میں ہے۔  
 مصرع ۲ تذکرہ میر حسن میں یوں ہے اور دوسری جگہوں میں بھی ن کی بہ نسبت اس سے قریب تر: ذکیحا تو عجب یہاں کا لیکھا ہم نے۔ مصرع ۳ بدستنائے ن ہر جگہ یوں: بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ، ۳ قطعہ ہم یہ الخ، اور اشعار ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ کے سوا کہیں اور نظر نہیں آئے۔ ۴ سے لے کر ۵ تک الخ ناموزوں ۵ اک مرتبہ الخ یہ رباعی بہ تبدیل بعض الفاظ میر کی ہے (رجوع بہ آوارہ) ۶ شعر ۱۱ کا مصرع ۲ ہر جگہ بہ استثنائے ن مصرع ۱ ہے۔

۱ دیوان درد کی نسبت قائم نے مخزن نکات میں لکھا ہے کہ "قریب ہفصد شعرا ز نظر گذشتہ" شورش نے اس کے اشعار کی تعداد "قریب" ہزار بتائی ہے اور مبتلا کا بیان ہے کہ اشعار ہزار سے متجاوز نہیں، حسن اور علی ابراہیم خاں کا بیان ہے کہ دیوان "مختصر تھا"۔  
 ۲ قائم مدتوں شاگرد و دوست رہنے کے بعد سودا کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہوئے تھے۔ نام تالیفی ۱۱۶۸، لیکن آغاز اس سے قبل اور تذکرے کے موجودہ نسخے کا اتمام اس کے بعد ہوا تھا۔  
 ۳ نسخہ کسفر، سال اتمام بقول مصنف تذکرہ مسرت افزا ۱۱۹۱ھ مبتلا کے بیان کے مطابق گلشن سخن ۱۱۹۴ھ کی تصنیف ہے۔ تذکرہ میر حسن کا ایک نسخہ میرے پاس ہے جس کے خاتمے میں ۱۱۸۹ھ تاریخ تصنیف لکھی ہے، لیکن آغاز اس سے قبل ہوا اور بعض نسخوں میں اس کے بعد کی بعض باتیں بھی مندرج ہیں۔ ۴ گلزار ابراہیم اور ماۃ دوازہم میں مکمل ہو گیا تھا، لیکن بعد کو اضافے ہوئے جو بعض نسخوں میں موجود ہیں۔

لیکن، خاتمہ دستور الفصاحت میں ہے کہ ”دیوان ادہم مثل دیگران ضخیم بودہ، روزے مزوجہ شدہ، قریب یکہزار و پانصد شعر مع ریاضیات انتخاب کردہ، باقی را پارہ نمودہ، بہ آب شستہ، حالا ہر چہ روان و اردہماں منتخب دیوانست“ شاد عظیم آبادی کچھ اور کہتے ہیں: ”استاد (فریاد) فرماتے تھے کہ.. درد کا اردو دیوان بھی سودا و میر کے دیوان سے کم نہ تھا، مڑھوں کی لوٹ مار کے زمانے میں توپ کا گولا حضرت کے گھر پر ایسا گرا کہ کتخانے میں آگ لگ گئی۔ حضرت کی نایاب کتابیں اور حضرت کے والد ماجد، شاہ نامہ، عندلیب.. کا کلام اور حضرت کے چھوٹے بھائی (اثر) کا کلام.. سب.. جل کر خاک ہو گئے۔ اب جو مختصر سا دیوان.. ہے وہ لوگوں نے سنی سنائی غزلیں جو جمع کر رکھی تھیں اس کا (کذا) مجموعہ ہے۔ کلام کا تلف ہو جانا، چوروں کا چر لینا، آگ لگ کر جل جانا.. اس خانوادے کی میراث میں داخل ہو گیا ہے حضرت اشکی و حضرت جمال کے ضخیم دیوان ریختہ و فارسی.. محدود ہو گئے.. استاد.. کے حجم اور دوزاری کلام کی قریب قریب ہی حالت ہوئی.. دیکھیے ان کے نام لیواؤں کے کلام کی کیا نوبت ہوتی ہے۔ چرانے والوں نے قریب قریب تین حصوں کو دیا ہی لیا، آگے اللہ مالک ہے“ (حیات فریاد ص ۱۶۶)۔ قائم وغیرہ کے اقوال سے قطع نظر، یہ دور از قیاس ہے کہ درد کا دیوان ضخیم رہا ہو اور اس کا بڑا حصہ انھوں نے خود ضائع کر دیا ہو۔ علم الکتاب مصنفہ درد کی ایک عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو: بندے نے کبھی شعر بدوں آمد کے اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا، اور نہ بکھف کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا، کبھی کسی کی مدح یا بوجو نہیں کہی، کبھی فرمایش یا آزمائش سے متاثر ہو کر شعر نہیں کہا (مقدمہ دیوان درد مطبع نظامی ص ۱۱)۔ وہاں کتلاں پر گولے کا گرنا اور اس کا تباہ ہو جانا، تو یہ بیجانہ درد میں بھی نہیں جو نامہ نذیر، فراق مرحوم کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بالکل صحیح نہیں کہ درد و عندلیب و اثر کے تصانیف بالکل ضائع ہو گئے۔

کے زمانہ تحریر ربیع ثانی ۱۰۰۰ سیزدہم ۸۰ اشکی فریاد کے حقیقی ماموں اور جمال رفتے کے ماموں تھے، شاد نے اس کے برعکس لکھا ہے۔

در دکا دیوان فارسی اور تقریباً کل تقاضیف نثر شاد کے دوران حیات ہی میں طبع ہو چکے تھے، اور دوسرے مقامات کے علاوہ خود پٹنہ میں (کبتخانہ مشرقیہ) ان کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ عند لیب کے نالہ عند لیب (نسخہ مطبوعہ ۱۸۰۰ صفحوں پر مشتمل مقدمہ دیوان در وصل) کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اثر کار دو دیوان اور مثنوی خواب و خیال بھی چھپ چکی ہے، گو ان کا زمانہ انطباع وفات شاد کے بعد ہے۔ یہ کس طرح باور کر لیا جائے کہ یہ سب باقی رہا لیکن، در دکا اردو دیوان جو بقول مصنف تذکرہ مسرت افزا "مشہورین الجہود" تھا ضائع ہو گیا۔ شاد کی عبارت کے آخری حصے پر غور کرنے سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ بحالیت کیوں وضع کی گئی ہے۔ شاد کا یہ دعویٰ بھی کہ اشکی، استاذ الاستاذ شاد در دکا کے شاگرد تھے صحیح نہیں، عشقی عظیم آبادی نے انہیں اپنا شاگرد لکھا ہے۔ رہے جمال تو ان کا شاعر ہونا بھی ثابت نہیں۔

۵۔ دیوان اردو کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں، لیکن اب تک کسی ایسے نسخے کا پتا نہیں ملا جو مصنف کے عہد کا ہو۔ قدیم ترین مطبوعہ نسخہ دہلی میں ۱۸۴۰ء میں چھپا تھا۔ اسے مہارائی ڈو افسر نگر کی فرمائش سے مرتب کیا تھا اور اس نے اپنی فہرست میں اس کی تعریف بھی کی ہے (صفحہ ۶۰)۔ ایک نسخہ مطبع محمدی لکھنؤ کا ہے جو عہد واجد علی شاہ (سال جلوس ۱۲۶۳ھ) کا ہے۔ پیش نظر نسخہ (کبتخانہ مشرقیہ) بدقسمتی سے ناقص الاخر ہے، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا سال انطباع کیا ہے۔ مطبع کبیری مہسرام کے نسخے کا حال جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اپنے ایک خط میں یوں لکھا ہے: "مطبع کبیری کا نسخہ.. کلیات.. ہے۔ فارسی کلام.. جو ض میں اردو.. حاشیہ پر.. خاتمۃ الطبع میں دو تاریخی قطعے ہیں۔ پہلے کے تیسرے شعر سے تاریخ طبع کتاب ۱۲۶۱ نکلتی ہے.. لیکن دوسرے قطعے میں مادہ ہے: "پہ درو عشق را آمد دو دیوان پیرما" ۱۲۶۷۔ یہ طباعت ختم ہونے کی تاریخ ہے، جیسا کہ اس شعر کے پہلے مصرع سے واضح ہوتا ہے: "پے تاریخ اتمامش سر دوش غیب بشنیدم" یہ کلیات ۱۳

پر ختم ہوتا ہے اور ص ۱۳ سے ۱۳۸ تک خانمۃ الطبع اور پھر ۶ صفحے کا غلطنامہ "بدایونی نسخے کے مقدمے میں ۱۸۵۵ء کے ایک نسخے کا ذکر ہے۔ مختلف مطابع نے دیوان اردو کو اپنے اپنے طور پر بہت بار طبع کیا ہے، لیکن حال کے نسخوں میں سب سے اچھا مطبع نظامی بدایوں کا نسخہ ہے جس کے معرعوں کی مجموعی تعداد ۲۵۸ ہے۔

۹۔ تذکروں میں درد کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو دیوان کے قلمی یا مطبوعہ نسخوں میں نہیں؛ تذکرہ میر حسن طبع ثانی میں ذیل کے ۳ اشعار ہیں:

نیرے سوا نہیں کوئی دیوں جہان میں موجود ہم جو میں بھی تو اپنے گمان میں  
ایدھر بھی اہل بزم تو جہ ضرور ہے کچھ کچھ کہے ہے تمہیں بھی اپنی زبان میں  
باساں بیاں کرے ہے نکات تنزلات سطرین لکھے ہے برقی تجلی کی شان میں

گلزار ابراہیم ( نسخہ کتبخانہ مشرقیہ و پٹنہ یونیورسٹی ) میں حسب ذیل اشعار ہیں :

گلی سے تیری کوئی ایک بار نہ ہو گیا کہ نقد دل کے تئیں دغزب کھونہ گیا  
سلے خواب میں لوگوں کے تو تو آ یا تھا ہزار حریف کہ میں بے خبر بھی سو نہ گیا  
ہمارے سلے اے درد بھولا جو کبھی کبھو وہ دور سے ہو جائے سو بھی ہونہ گیا

ممکن نہیں دل میں بھی عاشق آرام سے یاں رہا کرے گا

جوں تمہیں غرض نلک کے ہاتھوں کوئی نہ کوئی جلا کرے گا

پروانے کی طرح میرے پیارے جس دم کہ تو خوش ہوا کرے گا

ناداں یہ وہ بزم ہے کہ جس میں معشوق ہی تو کہا کرے گا

آمان مرا کہا دو آنے عاشق ہو کسی کو کیا کرے گا

اے درد نہ سمجھو کہ دو راں دو دل کو خوش ایک جا کرے گا

ساقی ہمیں پلا کوئی پیالہ شراب کا جلوہ تو دیکھیں بارے ہم اس ہفتاب کا

۱۔ نسخہ کتبخانہ مشرقیہ میں جوں اٹخ پروانے اٹخ کے بعد اور آمان اٹخ ندارد۔

دریا سے دیکھتے تھے نکلا تھا ایک دم خانہ خراب ہو گیا وہیں حجاب کا  
 حیرت میں ہوں میں تیرے پیش از شب جمال ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب  
 جب مانگتا ہوں تجھ سے میں ساتی شرابِ فنا دیتا ہے تب تجھی کو بے تلخی خواب صاف  
 بچ گیا دل جو ایک بار کہیں پھر نہ دوں اس کو زینہا کہیں  
 زور بھر کی ہے دل میں آتش عشق لے خبر چشم اشکبار کہیں  
 کہتا ہے مرے نالہ جانسوز کو سن کر دیکھے کوئی شاید یہ وہی سوتھی ہے  
 جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے درد بے اختیار اٹھتا ہے  
 ہے بگولا غبار کس کا درد یہ جو ہو بیقرار اٹھتا ہے  
 زلف کھاتی ہے بل ادھر اس کی دل ادھر صبحِ ذناب کرتا ہے  
 میں تو کہتا ہوں بات پردے کی کیوں تو اتنا حجاب کرتا ہے  
 لے دل تو مجھے لیے کدھر آیا تو آخر اس سنگدل کے گھر آیا تو  
 کہتے ہیں تجھے تو ناتواں مٹی سا ہے۔ اے خانہ خواب پھر ادھر آیا تو؟  
 اے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو بیدر وہت تو نے رلایا مجھ کو  
 اکٹل ہے بساط میں سو کرنا ہوندا۔ لے درد بہت تو نے ستایا مجھ کو  
 کیسے میں ترے جب آنکر بیٹھ گئے اتنا روئے کہ چشم تر بیٹھ گئے  
 جس سمت کو بھر نظر اٹھا کر دیکھا۔ مانند حجاب گھر کے گھر بیٹھ گئے

اے درد! تجھ تذکرہ مسرت افزا میں بھی ہے، اور اس کے بعد کی رباعی درد کی  
 نہیں ہدایت، شاگرد درد کی ہے (رجوعاً بہ آوارہ)۔ درد کے سوا اشعار جو انھوں نے  
 اثر کو عطا کر دیے تھے، جیسا کہ خود اثر نے لکھا ہے، مشنوی خواب و خیال میں موجود ہیں،  
 مگر اثر کے اشعار میں اس طرح مخلوط کہ یہ پتا نہیں چل سکا کہ درد کے اشعار کون سے ہیں۔  
 ۱۔ محمد تقی نام، میر نشان سیادت۔ تذکرہ شورش (نسخہ آء کسفر) میں ان کی

سیادت سے انکار کیا گیا ہے، مگر یہ یہ خود مدعی سیادت ہیں ۱۱ وطن (اوزظاہر مولہجی) اکبر آباد تھا، اس میں شبلیہ کی گنجائش نہیں۔ میر عنقوان شباب میں دہلی گئے تھے، لکھنؤ جانا ۱۹۶ء میں ہوا (مکچ میر کے بارے میں "ازراقم نقوش لاہور ۳۳۷ء) ۱۲ چھدا یا کان انج کلیات میر (طبع نو لکشا، مرتبہ آسی) میں نہیں اور نہ جہاں تک میر اعلم ہے اس تذکرے کے علاوہ کہیں اور میر کے نام سے لکھا گیا ہے، لیکن، خیال عظیم آبادی نے کسی سند کے بغیر اسے میر ضاحک دہلوی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کی ذاتی شہادت کا عدم وجود برابر ہے ("میر ضاحک دہلوی" ازراقم طنز و طرائف میر علی گڈو میگزین) ۱۳ شعر ۲ کلیات میں توئی جگہ تک ۱۴ شعر ۱ مصرع کلیات میں مرتب کی جگہ مصور ۱۵ قطعہ کل پا انج کلیات میں یوں ہے:

کل پاؤں ایک کاسہ سر پر جو پڑ گیا یکسر وہ استخوان شلستوں سے پور تھا  
ہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر۔ میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور نہ تھا  
۱۶ میر کلیات ان کی زندگی ہی میں طبع ہو چکا تھا، قلمی نسخے بھی ملتے ہیں، مگر کلیات سودا کے مقابلے میں کم۔

۱۷ نام محمد رفیع ۱۸ نواب فرخ آباد احمد خاں بنگش (متوفی ۱۱۸۵ھ) کی مدح کلیات سودا میں ہے، لیکن وہ دراصل مہربان خاں، رند دیوان نواب کے منسوبین سے تھے۔ قائم کا قول ہے: "مرزا.. سودا برفاقت وزیر الممالک.. در.. فرخ آباد رسیدند، خان موصوف (مہربان خاں) مرزاے موصوف را برفاقت خود گرفتند" (مخزن نکات ۵۵) ۱۹ کلیات پہلی بار مطبع مصطفائی دہلی نے چھاپا۔

۲۰ نام محمد میر ۲۱ سودا سے قبل ہی فرخ آباد پہنچ گئے تھے (مخزن ۵۵) وفات احمد خاں بنگش کے بعد فیض آباد اور دہلی سے لکھنؤ گئے ۲۲ شعر ۳ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے میر تخلص تھا، نکات الشعر میں صرف یہی تخلص دیا ہے۔

۲۳ شعر بہر کا مصرع ثانی در اصل مصرع اول ہے (تذکرہ مسرت افزا ص ۱۱)

۲۴ سوز کا دیوان اب تک نہیں چھپا ہے، مگر مطبوعہ انتخاب موجود ہے

۲۵ نام غلام ہمدانی ۲۶ مولد بقول مصحفی یلم گدھ (حاشیہ خاتمہ دستور الفصاحت

۹۳) ۲۷ شعر مصحفی کے دیوان اور کلیات سودا دونوں میں ہے۔

(تفصیل ادارہ)

۲۸ تخلص انشا۔ ولادت مرشد آباد، جہاں سے وہ لڑکپن (عہد میر تقی میر) ہی میں

رخصت ہو گئے۔ اس کا ثبوت موجود نہیں کہ اس کے بعد بنگالہ کی سیر کی ۲۹ حیدر آباد

کے بارے میں راقم کا مقالہ مصحفی و انشا ۳۰ شعر اول نظیر کا ہے (رجوع بہ ادارہ)

۳۲ شعر کلیات:

آبخورے برف کے انشا کو بھیجے اپنے اس کے یہ معنی کہ نو نقشہ تمہارا ہم گیا

۳۳ کلیات کے مخطوطات بہت ملتے ہیں، قدیم ترین مطبوعہ نسخہ وہ ہے جو محمد حسین

آزاد کے اہتمام سے شورش ۷۵ء سے کچھ قبل ان کے والد کے مطبع میں چھپا تھا۔

۳۴ نام نور الاسلام ۳۵ قلمی نسخہ دیوان کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہے۔

حسرت موہانی نے انتخاب دیوان شائع کیا ہے۔

۳۶ نام قلندر بخش، عرف بھئی مان یا بھئی امان ۳۷ زاد بوم لکھنؤ نہیں، دہلی

ہے، معاصرین نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اس سے قطع نظر، خود جرات اس مثنوی

میں جس کا موضوع خواجہ حسن اور بخش کا عاشقہ ہے کہتے ہیں:

شروع داستان کا ہے یہ مذکور کہ ہے اک شہر فیض آباد مشہور

ہوا تھا شہر دہلی جب سے غارت تھی اپنی اس جگہ میں استقامت

نلک نے کہ جہاں آباد برباد کیا تھا خوب فیض آباد آباد

تو جو تھے ساکنان شہر دہلی سکونت ان کی فیض آباد میں تھی (کلیات)

۳۸ قطعہ ”کوئی الخ“ کلیات (کتبخانہ مشرقیہ) میں نہیں ۳۹ شعر ۲ مصرعہ ۱:  
 کلیات ہم تو آہ۔ کلیات میں بھی ”جینا“ لیکن یہ ”جینا“ ہوگا ۲ شعر ۵ مصرعہ ۱:  
 ”اور جو اب مرگ کو ہم زندگی سمجھے تو بس“ ۲۱ شعر ۲ مصرعہ ۱: کلیات ”جرات سمجھے“  
 ۲۲ شعر ۲ مصرعہ ۲: کلیات ”آئیں گے جی آئیں گے الخ“ ۲۳ شعر ۱ جرات ہائیں،  
 بہ اختلاف بعض الفاظ آبرو کا ہے (تفصیل آوارہ)

۲۴ جرات کی وفات بقول مشہور ۱۲۲۵ ھ میں ہے، لیکن صحیح ۱۲۲۴ ھ ہے۔  
 اس کے متعلق میرا ایک مضمون اردو میں (غائباً ۳۷ ھ میں) چھپ چکا ہے۔ اس کی  
 اشاعت کے بعد دیوان کمال شاگرد جرات (نسخہ سراپور) اور دیوان نوازش لکھنوی  
 (کتبخانہ مشرقیہ) کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ان سے بھی ۲۷ ھ کی تصدیق ہوئی۔  
 ۲۵ کلیات جرات کے قلمی نسخے بہت ملتے ہیں، لیکن دیوان مطبوعہ لکھنؤ ان کے  
 کلام کے بہت ہی مختصر حصے پر حاوی ہے۔ حسرت موہانی نے اور شعرا کی طرح ان کے  
 دیوان کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔ ۲۶ جرات کے ایک شاگرد ”حقیقت پدربخس  
 صاحب سراپا سخن“ کے صنمکدہ میں (مطبوعہ) میں جرات کے اشعار مختلف  
 مقامات پر نقل ہوئی ہیں، یہ اشعار ان کے خصوصیات کلام کو اچھی طرح ظاہر کرتے ہیں،  
 اس لیے درج ذیل ہیں:

بلا ہوڑے کی بندش اور قیامت قدو بالہے	غضب چتون سنم کھرا بدن سانچے میں ڈھالہے
پڑی ہے بزم میں جس شخص پر نگاہ تری	تو منہ کو پھیر کے کہتا ہے وہ پناہ تری
جو دل کہے ہے کہ اس پاس بن بلائے چلو	تویم یہ کہتے ہیں تو حرمت اس میں جائے چلو
چہیں اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا	دن گیا رات ہوئی رات کئی دن آیا

رنگ بھجھو کا ہونٹ ملا تم اور کچوں میں سخی ہے  
 سینے سے لے ناف تلک اک ہندل کی سی سختی ہے

شب فرقت کی حقیقت کوئی کیا جانے ہے جس خرابی سے کئی رات خدا جانے ہے  
ضبط کر کر ہم قلق کو دل میں پچھلے بہت منع بتیابی کیا پر اس میں دکھ پائے بہت  
ظاہر ہی کر دیا مرے سوز بہان کو جوں شمع آگ لگ گئی میری زبان کو

عزیز وہل میں بھی ہم جو رو کر نہ موندتے تھے سواندیش تھانوں ہجر کا اس دن کو رو تو تھی  
غیر وہل کے ساتھ یوں مے لگ کرنگ تو پیے ایسا جو پھر کرے تو ہمارا لہو پیے  
لنگ کو دیکھ کے اس کا جو ہم نے نام لیا گر اتھا عرض بریں پر خدا نے تھام لیا

قدم میں ناتواں جب اسکو کوچے سے اٹھانا ہوں تو خجل نقش پاہر قدم پر بیٹھ جاتا ہوں  
کچھ فریاد اس دید پر جو ہم بدنام کرتے ہیں تو کہتا ہے کوئی کہہ دو کہ آپ آرام کرتے ہیں  
گالیاں دینے لگے نام مرا لیسے تم کچھ مری چاہ کے کھلجاتے ہی کھل کھیلے تم

ملاپ کیونکہ ہو دونوں کے دل قفس ہیں جھنوں کے بس میں ہیں ہم وہ پرانے بس میں ہیں  
ہجوم داغ نے کی جسم پر یہ محکا کا ری کہ پہنے ہے تن عریاں لباس پھلکاری  
پوں وہ آنکھوں میں کہے ہے جب کہ روئے کوئی پھوٹ پھوٹ اتنا نہ رو بد نام ہوتا ہے کوئی

۹ ۲۷ نام نصیر الدین۔ ۲۸ شعر مصرع ۲، ”ڈاکے“ غلط ہے میری رائے میں

اس کی جگہ ”لنگے“ ہوگا ۲۹ شعر ۲ مصرع اتذکرہ قاسم میں یوں ہے: چرائی چادر  
مہتاب شب میکش نے گردوں پر نے ۵۰ شعر ۳ مصرع ۲ ناموزوں ۱۵ شعر ۴

دیوان ذوق میں بھی ہے؛ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دیوان نصیر میں بھی ہے یا نہیں۔

۵۲ نصیر کا کلیات غیر مطبوعہ بہت ضخیم ہے اور اس کا ایک نسخہ کتب خانہ رضائیہ رامپور  
میں موجود ہے۔ دیوان کی جو دو مختلف اشاعتیں معرض طبع میں آئی ہیں، کلام  
کے بہت ہی مختصر مجموعے پر مبنی ہیں۔

۱۰ ۵۳ محمد ابراہیم نام ۵۴ چاروں شعر دیوان ذوق میں نہیں، میں یہ نہیں  
کہہ سکتا کہ ذوق کے ہیں یا نہیں ۵۵ دناسی لکھتا ہے کہ ذوق کا تذکرہ شعرا اور

دیوان بوترو صاحب کے پاس تھا (جلد ۳ ص ۳۳۹)۔ تذکرے کا ذکر دتاسی کے  
سوا کسی نے نہیں کیا، رہا دیوان تو وہ بوترو کے ہندسے جانیے بعد چھاپا ہے اور یہ مسلم ہے کہ  
ذوق نے اپنی زندگی میں دیوان مرتب نہیں کیا تھا۔ دتاسی نے دھرم نرائن (کسی اجلا  
کے مدیر) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ذوق کے اشعار ایک لاکھ تک پہنچتے ہیں۔ ذوق  
پر گو فرد تھے، مگر یہ مبالغہ ہے۔

۵۶۔ عبد اللہ نام کہیں اور نظر نہیں آیا، مگر محض اس بنا پر اسے غلط نہیں کہا جاسکتا۔ ۱۱

۵۷۔ آزاد نے رومی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ناسخ کا مولد لاہور تھا، میں اپنی رائے کسی  
اور موقع پر ظاہر کروں گا۔ ۵۸۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ ناسخ تنہا نساگر دہلوی سے  
اصلاً لیتے تھے اور بعض کا بیان ہے کہ مہسنی کے تلامذہ میں تھے میرے نزدیک مصنف کا قول صحیح  
ہے۔ بعض اصحاب کا یہ دعویٰ کہ خود مہسنی نے اپنے تذکرے میں یا کہیں اور ناسخ کو اپنا  
نساگر دہلوی سے بالکل بے بنیاد ہے۔

۱۹۔ ایک مشاعرے میں خواجہ۔ (آتش) نے مطلع پڑھا:

سرمہ منظور نظر ٹھہرا ہے چشم یار میں نیل کا گنڈا پنچا یا مردم بیمار میں  
شیخ.. (ناسخ) نے کہا سبحان اللہ، خوب فرمایا ہے: سرمہ.. یار میں نیلگوں بیمار  
میں "خواجہ صاحب نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا جیسے استاد خالیست۔ آزاد کی سمجھ میں  
نہیں آتا کہ بیمار میں گنڈا کیونکر پنچا تے ہیں، گنڈا بیمار کو پنچا تے ہیں۔ اور اس سے  
زیادہ تعجب شیخ کے مطلع کہے (شعر ۸) اس اختلاف کے ساتھ کہ ردیف میں " ( )  
(آب حیات طبع ۱۹۱۷ء ص ۳۶۹) آتش و ناسخ دونوں نے اس زمین میں بکثرت  
اشعار کہے ہیں اور کلیات مطبوعہ میں ردیف کو "ہنی ہے۔ دونوں استادوں کے دیوان  
آب حیات کی تصنیف سے بہت قبل چھپ چکے تھے اور چار دانگ ہند میں رائج تھے۔  
دیوان کی طرف رجوع کیے بغیر اعتراض جو دنیا نہایت غیر ذمہ دارانہ روش ہے۔

۶۔ شعر ۱ مصرع ۱: کلیات ”دل پر داغ کی ہے بقراری ظاہر اشکوں سے“  
 ۷۔ شعر ۱ مصرع ۱: کلیات ”پاس ۰ چہرہ ترا“ ۶۲ شعر ۲ مصرع ۱: کلیات  
 ”تیری اڑی“ ۶۳ شعر ۳ مصرع ۲: کلیات ”ہو جانا ہے“ ۶۴ رباعی آخر مصرع  
 آخر: کلیات میں ”خدا“، ”ن میں نمود آ“۔

۶۵ ناسخ کے کل اشعار بہ استثنائے شعر ۴ ڈابروالغ ۲ و ۱۱ (ہاٹھ الغ) کلیات

میں موجود ہیں۔

۶۶ کلیات ناسخ پہلی بار مطبع مولائی لکھنؤ نے ۱۲۶۲ھ میں شاہزادہ  
 فرخندہ بخت کی فرمائش سے شائع کیا تھا۔ اس کے خاتمے میں مرقوم ہے: ”دیوان اول  
 مستثنیٰ دیوان ناسخ در متن و دیوان دوم مستثنیٰ بدفتر پریشاں بر حاشیہ و دیوان  
 سوم مستثنیٰ بدفتر شعر دہم ردیف ملحق بدفتر پریشاں“ ص ۲۔ یہ نسخہ کیا ہے،  
 مگر کتب خانہ ادارہ تحقیقات اردو میں موجود۔ اس کے متعلق جناب سید مسعود حسن  
 رضوی کا ایک مضمون بھی رسالہ شاعر اگرہ میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ پتا چلا ناممکن  
 نہیں کہ دیوان ۲ کی غزلیں کہاں پر ختم ہوتی ہیں اور دیوان ۳ کی غزلیں کہاں سے  
 شروع ہوتی ہیں۔

۶۷ شعر ۱ مصرع ۱: دیوان ”جو کہ طائر الغ“ ۶۸ شعر ۳ مصرع ۱: دیوان  
 ”کوئی پھنچم نہیں اس“ ۶۹ شعر ۵ دیوان میں نہیں، مگر آب حیات ص ۲۶ میں بھی وزیر  
 کے نام سے ہے۔ شعر ۶ مصرع ۱: دیوان ”کسی کے آتے ہی ساتی کے یہ حواس گئے“۔

۱۲

۱ کے کریم الدین کا قول ہے کہ ۱۸۶۷ء میں ۵۵ کے قریب عمر تھی، اس کی صحت

یا عدم صحت کے متعلق فیصلے میں امور ذیل سے مدد ملے گی: کلیات ناسخ میں کہ خدائی

وزیر کی تاریخ ”شدہ نوشہ وزیر من امروز“ = ۱۲۳۷ درج ہے ص ۳۸ (کلیات میں

بڑے بیٹے کی تاریخ ولادت بھی ہے: صبح طالع شد برآمد آفتاب = ۱۲۴۵ ص ۳۵)۔

مصحفی نے ریاض الفضا (۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۶ء) میں لکھا ہے کہ ناسخ کو وزیر پر فخر تھا۔ گلستان سخن میں جو شورش ۱۹۵۷ء سے کچھ قبل طبع ہوا تھا، مرقوم ہے کہ وزیر ”مرد کبیر السن اور ریختہ گویاں قدیم سے ہے“

۷۲ دیا چم دیوان وزیر میں ہے کہ یہ خواجہ بہاء الدین نقشبند کی اولاد سے تھے۔ اور ان کے نانا سیف اللہ بیگ خاں امیر الدولہ حیدر بیگ خاں کے حقیقی بھائی تھے۔ مصحفی نے سیف اللہ بیگ خاں کو ”از اقربا و افقائے امیر الدولہ“ لکھا ہے۔

۷۳ سعادت خاں، ناصر نے اپنے تذکرے (انجام ۱۹۶۲ء) بعد کو اضافے بھی کیے جو نسخہ پر پٹنہ میں ہیں) میں لکھا ہے کہ ایک دن میں لالہ فتح چند کے ساتھ وزیر کے یہاں گیا تو کہنے لگے کہ ”اکثر“ مجھے ناسخ پر ترجیح دیتے ہیں اور ”بعض“ برابر جانتے ہیں۔ میرا دیوان دلی گیا تو وہاں کے باتمیز اصحاب نے دیوان ناسخ کو ”دھوڑالا“ نام کا بیان صحیح ہے یا غلط اس سے قطع نظر، گلشن بختیاری طبقات الشعرا اور گلستان سخن سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل دہلی وزیر کو ناسخ سے بہتر سمجھتے تھے۔ دہلی کے تذکرہ داروں میں ان کے اثنار بھی ناسخ کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ شعرا ذیل جو گلستان سخن میں ہے، دیوان مطبوعہ میں نہیں:

خاکساری ہے فقیری میں بھی مشکل ورنہ پیر میں مٹی میں کس کو نہیں رنگ آتا ہے

وزیر کے اثنار ذیل بھی دیوان مطبوعہ میں نہیں، تذکرہ ناصر میں ہیں:

ریح و راحت سے ہم کو کار رہا ہا لطف میں گل تو پا میں خار رہا

کہتے ہو اے ماہ دیکھا ہم نے ہالہ خواب میں آئیے آغوش میں سن بیجے تعبیر کو

۷۴ کریم الدین یہ لکھنے کے بعد کہ وزیر ”صاحب دیوان کلاں“ ہیں، رقمطراز

ہیں کہ پہلے ایک ”بہت بڑا دیوان“ تیار کیا تھا جسے کسی دوست یا شاگرد نے چرا لیا، اب ایک دوسرا دیوان مرتب کیا ہے۔ ”کسی کو غزل نہیں دیتے جب تک تھپ کر مشہور

نہ ہو جائے“ (اس بیان میں ایک سے زیادہ باتیں قابل قبول نہیں)۔ بیخود کا قول ہے کہ عہد ناسخ میں ضخیم کلیات تیار ہوا تھا مگر ضائع ہو گیا (کس طرح یہ بیخود نے نہیں لکھا) اس کے بعد جو کہا جمع نہیں کیا۔ عبد الواحد خاں ”مہتمم“ مطبع مصطفائی کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے خود زمینیں تجویز کر کے غزلیں کہوائیں اور ان کی حفاظت کا کام اپنے ذمے لیا۔ ساتھ ساتھ ضائع شدہ کلام میں سے بھی کچھ فراہم کیا اور ان سب کو ایک مختصر دیوان کی شکل میں ترتیب دے کر وزیر کو دکھایا، وزیر نے پرانے کلام کو ناپسند کیا اور کہا کہ زمانہ دو مہینوں کی بھی فرمت دی تو حسب درخواست دیوان ہو جائے، لیکن اس کا موقع نہ ملا۔ (یہ غالباً ۱۳۶۳ھ کا واقعہ ہے، اس لیے کہ دیوان کا نام دفتر فصاحت ہے اور اس سے ہی نکلتا ہے۔) وزیر کی وفات کے بعد خان مذکور نے بیخود و محسن تلامذہ وزیر کو ترتیب دیوان پر مامور کیا اور ان دونوں کے ہمشاہدہ کلام میں سے بھی کچھ فراہم کیا۔ دیوان مطبوعہ ۱۳۷۲ھ (صرف ایک بار چھپا ہے) کا دیباچہ بیخود اور خاتمہ سرور مصنف فسانہ عجائب کا لکھا ہوا ہے۔ خاتمے میں ہے کہ

”ہر لہا غزل کہی... جمع کرتے کا دھیان نہ کیا، عمدہ پریشان کیا“۔

۷۵۔ بیخود کا قول ہے کہ کلیات کے ضائع ہونے کے بعد شعر گوئی کا زیادہ شوق

نہ ہوا تھا، ”اعمال فتوح اور عظم لتیجر وغیرہ“ میں لکھوئیں ان کا جواب نہ تھا، ”نقش کی چال کی عادت ہو گئی تھی“ اور شاعری سے بالکل نفرت، مہینوں تلامذہ کی اصلاح بند تھی، مگر طبیعت ادھر آتی تو ”لاکھوں مضامین لندا گیں یکسر کم مشقوں کی غزلوں میں بھر دیتے“، کریم الدین کا بیان ہے کہ ۱۲ برس شعر نہیں کہا، پھر کہنے لگے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آئینش نے انھیں ”رک“ دی تھی۔

۷۶۔ بیخود نے وزیر کے استغنا، توکل، فیاضی اور وضع داری کی تعریف کی ہے۔

ان کا قول ہے کہ اپنی حاجت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے، واجد علی شاہ

نے دوبار طلب کیا، مگر نہ گئے، بیماری کا اندر کر دیا۔ سرور نے لکھا ہے کہ ”مرد قانع و ضابطہ“  
غیور تھے.. بظاہر منحنی، منتہ استخوان، باطن میں شیر زریاں، مرد میدان۔ بخود یہ بھی کہتے  
ہیں کہ ۱۰۰ روپے ماہوار سے کم خرچ نہ تھا، حالانکہ آمدنی کی ظاہر کوئی صورت نہ تھی، لوگ  
مدست غیب کا احتمال کرتے تھے۔ سرور کا بیان ہے کہ ”کہیں سے کچھ مجھیں نہ تھا، بسترود  
معاشرہ نہ تھی، فطاعت کے معنی ہیں کہ اس پر تلاش نہ تھی۔ کچھ دنوں.. گویا سے صحبت  
رہی، گویا باہم شیر و شکر تھے، جلسے ہمد گرتے، آخر کو شکر رنجی ہوئی، صحبت برہم ہو گئی،  
رہ و رسم کم ہو گئی، گوشہ نشینی میں سا ہمارے دراز اوقات بسر کی، ظاہر ہے کہ آمدنی کی  
کوئی صورت نہ ہونا اس زمانے کے بارے میں ہے جب گویا سے شکر رنجی ہو گئی تھی۔

۷۷ اشپزنگرنے تذکرہ باطن کے حوالے سے وزیر کو دستور العمل کا مصنف لکھا ہے  
لیکن تذکرے کے مطبوعہ نسخے میں اس کا ذکر نہیں۔ دتا سی نے تاریخ ادبیات ہند میں  
۱۸۵۷ء بتایا ہے۔ یہ بالکل قرین تباس نہیں کہ خواجہ وزیر اس کے مصنف ہوں۔

۷۸ وفات وزیر شب آدینہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۲۰۷ھ (دیباچہ)

۷۹ سپر بلند خاں آفریدی، ”ساکن کوہار مقیم لکھنؤ“ (سر پاشمن) صغیر نے

جلوہ خضر جلد ۲ میں کوہار (اس کا محل وقوع مجھے معلوم نہیں) کو گویا لکھا ہے، یہ  
صحیح نہیں، سوانحات سلاطین اودھ جلد ۲ ص ۷۲ میں مرقوم ہے کہ انھوں نے ناسخ کو  
کوہار بھیجا تھا صاحب صبح گلشن نے بلج آباد وطن بتایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اس قبضے میں  
عمارات رفیع اور بسائین و انہار جوان کی ”عظمت و ثروت“ کے آثار ہیں ان کے اولاد  
کے قبضے میں ہیں۔ صغیر کہتے ہیں کہ لکھنؤ میں احاطہ فقیر محمد خاں اور باغ فقیر محمد خاں  
مشہور ہے۔ صغیر کا قول یہ بھی ہے کہ انھیں ”آموں کا بہت شوق تھا، نادر آم بڑے ہتمام

۱۔ اس کا مفصل ذکر کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔

سے لکائے تھے اور سنہ ۱۲۳۰ھ میں کہ دودھ اور شربت وغیرہ سے سینچے گئے تھے، وطن اصلی کو ہار ہویا کوئی اور مقام، طبع آباد سے ان کا تعلق ثابت ہے اور ان کے اخلاف (جن میں جناب جوش طبع آبادی بھی ہیں) یہیں مقیم ہیں۔

۸۰۔ ۱۲۳۰ھ میں مہتمم الدولہ آغا میر غازی الدین حیدر کے نائب ہوئے،

اسی زمانے کے متعلق سوانح ص ۲۱۳ میں مرقوم ہے کہ فقیر محمد خاں نواب امیر خاں کے لشکر سے تازہ وارد تھے، سپاہی سمجھ کر ۳۰۰ روپے کی اسامی میر علی پناہ بنا رہی گی دی وزیر نے اپنی نظم (متعلق دیوان گویا) میں انہیں ”رفیق جناب وزیر مکرّم“ کہا ہے؛ وزیر سے مہتمم الدولہ مراد ہیں؛ غازی الدین حیدر جو بوقت مہتمم الدولہ پناہ شاہ ہوئے تو مہتمم الدولہ جو پہلے ان کے نائب تھے وزیر کہلائے۔ مہتمم الدولہ نے اپنے زمانہ اقتدار میں فقیر محمد خاں کو رسالہ داری کے علاوہ ”نظامت ملک“ بھی دی (ص ۲۴۲) نصیر الدین حیدر نے جب مہتمم الدولہ کو قید کرنا چاہا تو انہیں ان کا خاص آدمی سمجھ کر کہلا بھیجا تھا کہ ”ہم نواب کو قید کرتے ہیں، اگر کسی سوار نے تمہارے گھوڑے پر زین باندھا مجرم سزاوار تم ہو گے فقیر محمد خاں اس وقت مرغ کی بازی کی جوڑ دیکھ رہے تھے، چپکے گھر میں چلے گئے“ (سوانح ص ۲۹۲)۔ کلیات ناسخ میں ایک قطعے کا عنوان ہے: ”تاریخ مجروح شدن دست فقیر محمد خاں بہادر“ اس کے ۵ اشعار میں سے ایہ ہیں۔

سردست خان ویشاں پور سبذخوار نفع بیادت وے آمد گل بوستان ایجاد

چہ گلے کہ زربختہ بہ کہ دسہ زمانہ دُر بے بہا چو شبنم بدہ دم وہ و داد

گل بوستان احمد کہ بہ کہمت مدحش شدہ برگ گل ز بانم چہ کم زیادہ انشا

سرخو دیکھ برون چو بفکر سال صحت دل من بگفت ناسخ اثر قدم شفا باد

”اثر قدم شفا باد“ مادہ تاریخ ہے اور اس کے نیچے ۱۲۳۰ھ مرقوم ہے، لیکن اس سے ۱۲۳۳ھ تک ہے۔ اسی موقع پر گویا کو خطاب ”بہادری“ ملا تھا (تاریخ مختصم مصنفہ

محمد مختتم خاں، سپر لوزاب محبت خاں، نسخہ و کتب خانہ، مشترکہ واقعہ کے تفصیل شمارہ ۳۲ سے متعلق جانشینی میں ملیں گے۔ ناسخ کے ایک دوسرے قطعے کا مصرع اول ہے:

”و ادحق پورے حسام الدولہ را“ اس کے مصرع آخر: ”ہست دیند سعادت مندایں“ سے ۱۲۲۵ استخراج ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قطعے کی تصنیف سے قبل حسام الدولہ کا خطاب مل چکا تھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ ”باوجود عجم دنیا مائل و قدر دان اہل ہر فن است“ شعر کی طرف خاص التفات تھا، اور مداح صلہ پاتے تھے ص ۱۶۵۔

۸۱ مصنف نے ترجمہ وزیر میں انھیں اسناد گویا لکھا ہے اور تلمذ ناسخ کا ذکر نہیں کیا۔ وزیر و گویا کے تعلقات گہرے تھے؛ مگر جیسا کہ سرور نے لکھا ہے اس کا خاتمہ تشکر رنجی پر ہوا۔ نام کا قول ہے کہ وزیر، فرخ اور غافل مدتوں گویا کی سرکار میں لوکر تھے۔ کریم الدین کا بیان ہے کہ پہلے ناسخ کے شاگرد تھے، ان کی وفات کے بعد وزیر سے اصلاح لینی شروع کی۔ محسن نے صرف تلمذ وزیر کا ذکر کیا ہے (سراپا سخن) اور صغیر بلگرامی نے اس پر قناعت نہ کر کے یہ لکھا ہے: ”مشہور ہے کہ ان کا کلام بالکل.. وزیر کی چھٹی ہوئی غزلوں سے مرتب ہوا ہے“ (جلوہ خضر ص ۱۴۲)۔ وزیر نے ترتیب دیوان گویا کی تالیف ”ترتیب دیوان ہمایوں الہی“ سے نکالی ہے (= ۱۲۴۱ یہ دونوں کے دیوانوں میں ہے)۔ بستان حکمت (طبع ۱۲۸۰ھ) کے دیباچے میں گویا نے تحریر کیا ہے: ”ایک روز بندہ اور خواجہ وزیر اور عیال فرخ شاعر کہ یہ دونوں شاگرد ارشد شیخ ناسخ صاحب کے ہیں اور چند احباب اور بھی باہم بیٹھے تھے اور اس وقت شغل انوار سہیلی کے مطالعے کا تھا.. اہل محفل نے اصرار کیا کہ.. اگر تم اردو میں اس کا ترجمہ کرو تو خوب عزیز ہو“ ص ۱۔ رہا ناسخ و گویا کے تعلقات کا معاملہ، تو کلیات ناسخ میں جو نظیں گویا سے سرور کار رکھتی ہیں،

۱۔ کلیات میں عطلے منتشر (واقعہ ۱۲۴۸) ص ۳۵ اور شفا یابی (۱۲۵۰ھ) ص ۳۴ سے متعلق نظیں بھی ہیں۔

ان کا ذکر ہو چکا ہے، ناسخ نے ترتیب دیوان گویا و ترجمہ الوار سہیلی کی تاریخیں بھی لکھی ہیں جو کیا تہ میں تو نہیں لیکن ان کتابوں میں موجود ہیں۔ بستان حکمت میں جا بجا ناسخ کے اشعار دیے ہیں اور کم از کم دو جگہ ص ۳۱۳ ایسے مقامات میں "ناسخ استاد" لکھا ہے۔ اعظم الدولہ سرحد (بقول ذناسی) اور شہبختہ و ناصر نے گویا کو ناسخ کا شاگرد لکھا ہے، اور تلذوزیر کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ قرینہ یہ ہے کہ ناسخ کی زندگی میں بھی وزیر سے مشورت رہی ہو، مگر باقاعدہ شاگردی کا اقرار نہ ہو۔ وفات ناسخ کے یہ صورت حال بدلی تھی یا نہیں اس کے متعلق قطعی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے، لیکن تلذوزیر کی خبر دہلی تک پہنچ گئی تھی۔ ضمیر نے دیوان گویا کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق یا تکذیب کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں۔

۸۲ شعر گویا دیوان مطبوعہ میں نہیں۔ دیوان گویا کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا، مگر طبع اول بہت کیا ہے، مروجہ نسخہ مطبع نو لکھنؤ کا ہے۔ زمانہ ترتیب اوائل عشرہ بیستم ماہ سیزدہم بنا یا گیا ہے، لیکن دیوان مطبوعہ میں اس کے بعد کا بھی کچھ کلام ضرور ہوگا۔ انطباع دیوان کے بعد کے اشعار (ان اشعار سے قطع نظر جو بستان حکمت میں ہیں) کیا ہوئے، اس کا پتا نہیں چلتا۔ گرم الدین نے گویا کی پرگوئی کی طرف اشارہ کیا ہے اور باطن جو دیوان کے مکر مطالعے کے مدعی ہیں اسے "ضمیم" کہتے ہیں، مگر دیوان مطبوعہ جس میں تھا لکھی ہیں، ۳۵ سو سے زیادہ اشعار پر مشتمل نہیں۔ اشپوزنگر کی فہرست میں ایک قلمی دیوان کا حال لکھا ہے جو ۱۰۴ صفحوں (۲۰ اشعار ایک صفحے میں) کا تھا۔

۸۳ ضمیر کا قول ہے کہ یہ مشہور ہے کہ فقیر محمد خاں نے اپنا تخلص خرید لیا تھا۔ ان کا یہ مصرع ان کے تخلص کی قیمت دے گیا: "تو تو گویا تھا کوئی بات بنائی ہوتی" (جلوہ فخر)۔ مصرع اول یوں ہے: "گر تے اٹھنے نہ دینے سے بگر بیٹھا وہ" (دیوان طبع ۱۸۸۲ء صفحہ ۱۹)۔

۸۴ "ہمیشہ شیعوں سے لکھنویں.. محرم.. میں ہنٹامہ رہتا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ بہت متعصب سنی ہے، اکثر مباحثہ شیعوں سے ہوتا ہے" یہ کریم الدین کا قول ہے، مگر ناصر جو خود شیعہ ہے لکھتا ہے: "اتمام اس کا آغاز سے فوشتر، جبکہ دو لقمہ اب شیعہ امیر المؤمنین حیدر" یہ عبارت ٹھیک نہیں، لیکن ناصر کا مطلب ظاہر ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بستان حکمت میں خلفائے اربعہ کی مدح ہے۔

۸۵ ذیل کا فارسی شعر صحیح گلشن میں ہے:

یار باغیر ز پیش من دل سوختہ رفت شدلہ دل آتشزدہ فروختہ رفت

۸۶ سراپا سخن مصنفہ ۱۲۶۹ھ میں گویا کو مرحوم لکھا ہے، اور صحیح گلشن مطبوعہ

۱۲۹۵ھ میں مرقوم ہے کہ وفات کم و بیش ۳ سال قبل ہوئی ۱۲۶۵ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے ہوں تو عجب نہیں۔

۸۷ برقی کا ذکر ریاض الفضا میں ہے، عمر "قریب بیسی" لکھی ہے۔

۱۲

۸۸ سوانح سلاطین اودھ جلد ۱ ص ۳۲۹ میں ہے کہ جب قدسیہ محل زیر کھا کر

مرگئیں (تاریخ محکمہ میں ہے کہ یہ ۱۲۵۵ھ کا واقعہ ہے) تو نصیر الدین حیدر کے خیال میں آیا کہ "اگر چھوٹی بہن مرحومہ کی جو نواب دو لہا کی بھور ہے راضی ہو تو اس میں کہاں تک عادت و خواہ سگی بہن کے نہ ہوں گے، اس امر میں بہت سے دلالوں نے ہاتھ پاؤں مارے مگر اس زن باو دل نے ہرگز مفارقت اپنے شوہر کی قبول نہ کی، یہاں تک کہ اس شوہر کو اذراہ تنبیہ شہر سے نکال دیا۔ فتح الدولہ مرزا محمد رضا، برقی اس کی حفاظت و سمجھانے کو ساتھ ہوئے کہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ جناب میر سید علی، مرحوم سکے بھائی مجتہد العصر کے نواب کی طرف سے سمجھانیکو۔ گئے بہر اجد و جہد اجتہاد نواب دو لہا سے نکل دلوایا.. نواب نے بادشاہ سے عرض کیا اس عقدہ مالہ محل کا کھونا انہیں کا کام تھا، وہ زن باو قند زنداں رہی مگر راضی نہ ہوئی.. بھاگ کر کانپور میں اپنے

شعر سے جا ملی۔“

۱۹۔ تذکرہ ناصر ”مجمع اخلاق“ معدن اشفاق، مرزا محمد رضا۔ برق خلف الصدق

مولانا۔۔ مرزا کاظم علی۔۔ طاب شہواہ، شاگرد رشید بلکہ قائم مقام۔۔ ناسخ۔ خلق اور حلم  
میں مشہور، نام دیرری اور سیرجہی میں ضرب المثل میان خاص و عام ”زنا مر نے کچھ باتیں  
شاعر ہم کی حال میں بھی لکھی ہیں، جو اس سے متعلق حواشی میں ملیں گی۔“

۲۰۔ مجموعہ و اسوغت مرتبہ عیش لکھنوی، ”جوان خوشرو، مہذب، با وضوح لاغزنام،

عالم شباب میں بڑے بانگ اور خانہ جنگ اور بہادر۔۔ تھے، حلیق اور جگت آشنا“

۲۱۔ شہر آشوب کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ واجد علی شاہ کے ہمراہ کلکتہ

نہ جاسکے تھے، مگر وہاں جانا ضرور ہوا، بلکہ وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔ سوانح ات

جلد ۲ ص ۲۰۹ میں ہے کہ جب واجد علی شاہ قید ہوئے ”بعد کئی دن کے۔۔ برق مقرب

خاتان، مرزا جعفران کے بھائی شریک حال ملازمین شاہی ہوئے، بعد کئی مہینے کے

جب عوارض لا حقد سے ان کا حال خیر ہوا، مردہ بدست زندہ ہو کر کوٹھی کوچی کھولہ

میں آئے، دو تین دن بعد مر گئے۔ میرا (میرزا بہ) احمد سوداگر کے باغ میں دفن ہوئے

جب لکھنؤ سے چلے تھے، اکثر دوستوں۔۔ سے کہتے تھے کہ ہماری مشت استخوان مشتاق

خاک کلکتہ ہو رہی ہے، بہر حال اپنے حقوق ولی نعمی سے ادا ہوئے۔ بادشاہ نے ان کا

درماہران کے عیال کے واسطے مقرر کر دیا تھا، بعد اس کے ان کی بی بی نے بھی انتقال

کیا، اب سوا مرزا جعفر کے کوئی نہیں رہا۔ مرزا آغا جان ان کے بڑے بھائی نے وہیں

انتقال کیا۔ لکھنؤ کی اٹاک اما مبارہ وغیر بہت دعا مانگ مانگ کر بنوایا تھا وہ بھی گیا گزرا“

دیوان میرزا میں مادہ تاریخ وفات ہے، گجی برق طور سخن آہ و آئے = ۱۲۷۴ھ

و بعد علی شاہ نے اپنی منوی حزن اشتر میں ان کی وفات کا ذکر کیا ہے اور جہاں تک

تجربہ یاد ہے ان کی وفاداری کی تعریف کی ہے۔

۹۲ برق کا ایک واسوخت مجموعہ واسوخت مطبوعہ ۱۲۴۵ھ میں شامل ہے اور یہی واسوخت عیش کے مرتبہ مجموعہ میں بھی ہے۔ دیوان ان کی زندگی ہی میں طبع ہو چکا تھا۔ ایک شہر آشوب جو اودھ کے انگریزی مقبوضات میں داخل ہونے کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔ انکی دیوان میں نہیں۔ صفیر نے اس کے جو منتخب اشعار جلوہ غفر میں درج کیے ہیں، ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

کل کے مذکور یہ ہیں اپنے بھی افسانے تھے	رنگ فردوس بریں شہر کے مینا نے تھے
تھالیاں ہیروں کی تھیں نعلوں کے پیمانے تھے	ماہ دخور شید رخ شمع کے پروانے تھے
سب ہوا خواہ سینماں کہا کرتے تھے	رات دن پریوں کی جھڑپ میں رہا کرتے تھے
تافنگ نالہ زلزل کی صدا جاتی تھی	لجن داؤد کوئے بزم میں شرمانی تھی
دخت رز مثل پرستی مجھ کو نظر آتی تھی	وجد میں آن کے ہرزہ رہ جس کی کاتی تھی
”شند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد“	میکشال مزہ کہ ابر آمد و بسیار آمد“
تہہ اڑنے تھے جگھٹ تھے پر یادوں کے	میلے مر روز ہوا کرتے تھے آزادوں کے
نلے سننے تھے نہ ہرگز کبھی فریادوں کے	کبھی آگاہ نہ تھے نام سے بیدادوں کے
کیا کہیں کس سے کہیں ہاے وہ صحت کیا تھی	راجہ اندر کے اکھاڑے کی حقیقت کیا تھی
باغ جنت کے اثر باغ ارم رکھتا تھا	ساری دنیا کے شجر باغ ارم رکھتا تھا
سارے عالم کے عمر باغ ارم رکھتا تھا	محل خوش وقت سحر باغ ارم رکھتا تھا
دیکھ کر صحن کو ہمایا رشتہ پاتے تھے	مروے جی اٹھتے تھے جس وقت وہاں جاتی تھی
کم ز تھے ساغر فردوس سے خلدے اس کے	سر و سبیل تھے جو ان گیسوؤں والے اس کے
ہنریں تسنیم تھیں گرداب تھے ہالے اس کے	سارے اشجار تھے طوبی سے نزلے اس کے
تھر و منزل کے بدل تھر و رابض تھے	رہنے کو شیش محل تھر و رابض تھے
نکبت مشک سے صحرے خنن رہتا تھا	باغ فردوس تہ چرخ کہن رہتا تھا

لال تھے ہونٹ حسینوں کے سین رننا تھا  
 چرتے پھرتے تھے زمانے کے چرندے اس میں  
 ہر طرف پھولوں کے انبار رہا کرتے تھے  
 پھول خار سردیوار رہا کرتے تھے  
 شہر میں اپنے غلام کے جہاں بکتے تھے  
 چاند تھی شکل میں ہر ایک کہاری اپنی  
 ہم نفس باغ میں تھی بادبہاری اپنی  
 دھوم تھی چاروں طرف خلق میں ہواروں کی  
 یاد آتا ہے وہ سنسنی سنسنی کے بگڑنا ان کا  
 بہر انعام سواری میں بھگڑنا ان کا  
 جلیباں عارض انور سے چمک جاتی تھیں  
 بھولے بسا توں میں بدیشم کے پڑا کرتے تھے  
 پینگوں پر تیوریاں پر طعنی تھیں لڑا کرتے تھے  
 جوڑے ہر رنگ کے ہر ایک کو بہناتے تھے  
 میز پر روز لب نہر جینی جاتی تھی  
 بات کالوں سے زسننے کی سنی جاتی تھی  
 نہت زلف سے گھر دشت ختن ہوتا تھا  
 بوتلوں عطر لٹدھاتے تھے لگانا کیسا  
 بات سچ پیش نہ جاتی تھی بہا نہ کیسا  
 ایک سے ایک کو مطلق نہ خبر ہوتی تھی  
 اپنا ہولی میں برب رنگ ہوا کرتا تھا

پاؤں کو شام و سحر صحن چین رننا تھا  
 ہوش اڑتے تھے جوار تھے پرندے اس میں  
 گلستاں گلشن رخصسار رہا کرتے تھے  
 سامنے مہر کے بازار رہا کرتے تھے  
 کھوٹے داموں کو ٹپی یوسف زویاں کچھ تھے  
 دیکھنے آتی تھیں پریاں بھی سواری اپنی  
 صحبتیں غیرت فردوس تھیں ساری اپنی  
 حرص تھی روح سلیمان کو ہوادارونکی  
 لہنگے پہنے وہ تمامی کے اکڑنا ان کا  
 قہر تھا ہائے بناوٹ کا وہ لڑنا ان کا  
 کمر میں بار سے گیسو کے لچک جاتی تھیں  
 مہندیاں لگتی تھیں سامان بڑا کرتے تھے  
 پاؤں کیا ڈنڈیوں میں ہر وقت اڑا کرتے تھے  
 بوندیاں پڑتی تھیں ملتی تھی ابر آتے تھے  
 چادر ماہ دوپٹوں کو بھنی جاتی تھی  
 بطعے گرمی صحبت سے بھنی جاتی تھی  
 پھولوں کی ٹالپوں سے صحن چین ہونا تھا  
 ہمنسین آپ سے آنے تھے بلانا کیسا  
 تیر مڑکانوں کے کھانے تھے نشانہ کیسا  
 اٹھیں چہلوں اٹھیں جلسوں میں بس ہوتی تھی  
 عرصہ روئے زمین تنگ ہو کر نا تھا

حوضوں میں نہروں میں سب تنگ ہو کر تانا تھا  
 چہروں پر موتیوں کی راکھ ملی جاتی تھی  
 اندھے ان ماہولکے ہالوں کی طرح زیبائے تھے  
 شجر وادی امین شہر بلا تھے  
 دل نما شایوں کے ساتھ چلے جاتے تھے  
 ساگ آزادوں کے جب کوئی یہاں لایا تھا  
 دیکھ کر سیر زمین رشتک فلک کھاتا تھا  
 ریزش سے رہے پیمانے میں باقی تا حشر  
 باغ میں روزگال اڑ کے شفق ہوتا تھا  
 حاجت رنگ نہ تھی رنگ عرق ہوتا تھا  
 چاند سورج گل زخما سے شربتاتے تھے  
 رات دن باتیں زمانے کی چھنا کرتی تھیں  
 شکلیں انگریزوں کی جان فنا کرتی تھیں  
 مردے جی اٹھتے تھے سین کے صدا ارگن کی  
 بگھیاں نور کی تیار رہا کرتی تھیں  
 آنکھیں مستی میں بھی ہشیار رہا کرتی تھیں  
 سیریں رہتی تھیں دل تنگ کے پہلا نیکو  
 ستے کیورے سے پھرتے تھے ہماری سڑکیں  
 غیرت گلشن فردوس تھیں ساری سڑکیں  
 لکھنؤ کی اٹھیں گلیوں میں پھرا کرتے تھے  
 پیرے ہم چھوڑتے تھے کوئی پر جہادوں میں  
 سیر سے سانگوں کی دل دنگ ہوا کرتا تھا  
 دیکھ کر جو گنوں کو جان چلی جاتی تھی  
 آگ کے ٹھیکروں سے ہاتھ یوں بیضا تھے  
 بار پستان بدنوں میں ٹرٹو بی تھے  
 دیکھنے والے تھلی سے جلے جاتے تھے  
 ماخوں سے شق خمر صاف نظر آتا تھا  
 برق کے شعروں سے دل تن میں ٹرپ جاتا تھا  
 رکھ داتا تجھے مینانے میں ساتی تا حشر  
 بادلا چرخ کا سونے کا ورق ہوتا تھا  
 خاک پر گر کے ابیر ایک طبع ہوتا تھا  
 تارے مقیش کے ذروں سے نظر آتے تھے  
 سیجیں پھولوں کی ہزاروں ہی بنا کرتی تھیں  
 خم فلک ہوتے تھے جس وقت تنا کرتی تھیں  
 دم عیسیٰ تھی حقیقت میں ہوا گلشن کی  
 تسمتیں سوتوں کی بیدار رہا کرتی تھیں  
 کوٹھیاں باغ کی گلزار رہا کرتی تھیں  
 روز ہر صبح کو جاتے تھے ہوا کھانیکو  
 آنکھوں سے بھارتی تھی باد پہلی سڑکیں  
 رہتی ہیں پیش نظر ہائے وہ پیاری سڑکیں  
 عشق میں آ آ کے تماشائی گرا کرتے تھے  
 چلے رہتے تھے شب و روز پر یادوں میں

مشق کرتے تھے فن عشق کی استادوں میں  
 شب گزرتی تھی ہمیں زلف کے آزادوں میں  
 بے فرنگی محل ان روزوں میں آرام زلفا  
 رات دن سیر سپاٹے کے سوا کام نہ تھا  
 وعدے جہلم کے مہینوں سے رہا کرتے تھے  
 روز چلنے کو محرم میں کہا کرتے تھے  
 آنسو کیا مرثیوں کو سن کے بہا کرتے تھے  
 رنجِ فرقت میں نہ اس طرح سہا کرتے تھے  
 کالے کپڑوں سے جو خصار نظر سنا تھا  
 دامنِ شب میں فخر شرم سے چھپ جانا تھا  
 کر بلا جاتے تھے رہتے تھے وہاں راتوں کو  
 برسوں ہم کہتے تھے نوجندیوں کی باتوں کو  
 نہ کبھی بھولیں گے پوشیدہ ٹانگاتوں کو  
 ہم بتاتے تھے بہانے کی کھین گھاتوں کو  
 گر کبھی جاتے تھے ملتے تھے کبھی راہ میں ہم  
 دیکھ لیتے تھے کبھی دور سے درگاہ میں ہم  
 جانتے تھے کہ اسی طرح گزر جائے گی  
 چمن عیش میں ہرگز نہ خواں آئے گی  
 آرزو نخلِ محبت سے شریائے گی  
 یہ نہ سمجھتے تھے قصار رنگِ نیلا لائے گی  
 "حیف در چشمِ زدن صحبت یارِ آخوند  
 روئے گل سیرندیدیم وہاں آخوند  
 آج پانی بھی نہیں منہ میں چو انیوالے  
 دور سے بھاگتے ہیں پاس کے انیوالے  
 منہ نہیں دیکھتے صورت کے دکھانیوالے  
 پھاٹے کھاتے ہیں محبت سے کھلانیوالے  
 غم میں کیونکر نہ مرثیہ اشکوں سے تر ہو اپنی  
 مرٹھی جائیں تو کسی کو نہ خبر ہو اپنی  
 مدتیں گزریں کہ واقف نہیں درگاہوں سے  
 اجنبی ہو گئے ان کو چوں کی ہم راہوں سے  
 کر بلا جاتے تھے نوجندیوں کو چاہوں سے  
 ہوسیں ساری تھیں اپنے ہوا خواہوں سے  
 خاک خوش آئے کسی طرح کا میلہ ہم کو  
 روئے کو پھوڑ گئے یارِ اکیلا ہم کو  
 سخت جانی سے فقط جیتے ہیں جینا کیسا  
 پانی خجریے ہمیں پیاس میں پینا کیسا  
 اب وہ نوجندی کہاں اور مہینا کیسا  
 موت قابو میں نہیں ورنہ بڑی بات نہ تھی  
 مے کہاں جام کہاں تعلق مینا کیسا  
 اب بھی آجائیں جو وہ پھر وہی صورت ہو جائے  
 جاے عبرت ہے کبھی اپنی یہ اوقات نہ تھی  
 وہی ہنسیاں وہی چہلیں وہی عشرت ہو جائے  
 دہی ہنسیاں وہی چہلیں وہی عشرت ہو جائے

رنج سب جاتے ہیں روح کو راحت ہو جائے  
 پھر وہی شان ہو اپنی وہی شوکت ہو جائے  
 پھر وہی سیریں کریں پھر وہی آبادی ہو  
 پھر وہی ناچ وہی رنگ وہی شادی ہو  
 ہم کہا کرتے تھے بے آپ کے مرجائیں گے  
 تم جدا ہو گے تو تم جی سے گزر جائیں گے  
 یاد خاطر ہے جو کہتے ہیں کر جائیں گے  
 جام عمر آنسوؤں سے بحر میں بھر جائیں گے  
 اس بڑے بول (سے) پچھتوں میں شرمندہ  
 وہ گئے اور اسی طرے سے تم زندہ ہیں  
 موت جینے سے کہیں اپنے لیے بہتر ہے  
 بال نشتر ہیں تو ہر ایک نفس خنجر ہے  
 تکیہ ہے خشتِ محلہ فرشِ زمین بستر ہے  
 در میں آغوشِ اجل گور سے بدتر گھر ہے  
 کیا کروں اس کو کہ برعکس جو قسمت ہو جائے  
 نہر گر کھاؤں تو وہ بھی مجھے امرت ہو جائے  
 آرزو رہ گئی افسوس زنگا ٹاٹا ہم کو  
 بننے پائے بھی نہ تھے ہم کہ بگاڑا ہم کو  
 چھوٹے دینکے علم بھر سے جاڑا ہم کو  
 ہاے کس کی نظر بد نے اجاڑا ہم کو  
 اس سے مجبور ہے انسان جو قسمت ہو جائے  
 وہ اگر چاہیں تو اک آن میں سیچے ہو جائے  
 کوئی اس رنجِ غم انداز کی تدبیر نہیں  
 جینے جی ان سے طیس اپنی یہ تقدیر نہیں  
 دور اپنا ہو یہ دور فلک پیر نہیں  
 دل میں طاقت نہ ہی آہ میں تاثیر نہیں  
 کس نے آرام نہ چرخ کہن پایا ہے  
 روز اول سے اسی طرح چلا آیا ہے  
 ہم پر اے برقی جو گزرا ہے سنایا ہم نے  
 نقشہ سب کھینچ کے شعروں میں دکھایا ہم نے  
 شہر آشوب کہا رو کے زلایا ہم نے  
 شہر آشوب کہا رو کے زلایا ہم نے  
 خلق میں نیر اقبال ہمارے وہ تھے  
 سب کو ثابت ہے کہ بسیار ستارے وہ تھے

۱۵ رشک میر حسن کے بیٹے نہ تھے، ترجمے کی عبارت میں غالباً کاتب کی غلطی ہے۔

رشک کے والد کا نام سید سلمان تھا، (مثنوی ۱۹۲۱ء دیباچہ نفس اللغۃ ص ۹۲)

تذکرہ ناصر میں جو رشک کا ترجمہ ہے درج ذیل کیا جاتا ہے:

”شاعر سترگ ممدوح خود بزرگ نہ بود علم و فضل سے آراستہ۔۔۔ میر علی اوسط رشک“

کلام اس کا منظور ضمناً نواظر کے مرغوب ثناگر درشید۔ ناسخ بلکہ ان کے برابر محسوب۔۔۔  
 ان کی زبانی بیان کہ مسکن اور مولد فیض آباد اور بدوسن سے شعر گوئی پر طبع رواں۔۔  
 مرزا محمد تقی خاں، ترقی کے دو نٹھانے میں صحبت مشاعرہ مقرر اور روز مقررہ وہاں ازہام  
 اہل فضل و ہنر۔ چار و ناچار میر مستون، خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا غزل  
 دکھلائی اور ہنرمندوں کی زبان سے واہ واہ پائی۔ چند سے زمانہ اسی طویل گزرا ۲۳۱ھ  
 میں۔ جناب عالیہ نے انتقال کیا اور سررشتہ روزگار کا برملا ہوا، عزم۔۔ لکھنؤ کا ٹھہرا، اس  
 وقت۔۔ دریافت حال شعر لے لکھنؤ میر صاحب مرحوم سے کیا اور سفارش چاہی۔۔ فرمایا کہ  
 میرے دوستوں میں۔۔ ناسخ ہیں کہ طبیعت ان کی بہت متین اور فی زمانہ ایسا شاعر نہیں  
 ان کی خدمت میں حاضر ہنا۔ میں نے خط سفارش کا طلب کیا، کہا اس کی احتیاج نہیں  
 میرا سلام کہنا اور اپنا کلام پڑھنا۔ القصد۔۔ لکھنؤ۔۔ آیا اور میرا مجد علی، ہتیار کی معرفت  
 فیخ صاحب کی خدمت میں باریاب ہوا، بطریق نذر ایک غزل پیشکش کی، فرمایا کہ اسے  
 چھوڑ جاؤ کہ اصلاح کی جائے گی۔ جب دو چار دن کے بعد۔۔ حاضر ہوا فرمایا کہ وہ مسودہ  
 گم ہو گیا، اگر تمہیں لے کہی تھی اور کہہ سکتے ہو۔ میں نے اسی زمین میں اور کہی۔۔ اسے  
 زیور اصلاح سے تدا سنہ فرمایا، وہ ماہ ربیع الاول ۱۲۳۱ھ ہجری تھا کہ ابتدائے زمانہ  
 ثناگر دی ہوا۔ اب جو۔۔ فکر کی۔۔ دو تخلص بل کے تاریخ ثناگری کی حاصل ہوئی۔ یہ  
 عجیب قضیہ اتفاقیہ ہے۔

۹۵ ابن الدولہ آغا علی خاں، مہر کا شمار تلامذہ ناسخ میں بھی ہے، ان کا ایک  
 دیوان چھپ گیا ہے اور اس کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔ شاید ایک دیوان اور ہے  
 جس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ سال و ذات غالباً دیوان صغیر لکھنوی میں ہے۔  
 ۹۶ رشک کے دو دیوان ایک ساتھ طبع ہوئے تھے (ایک ہوض میں دوسرا حاشیے پر)  
 دیوان اول منیر میں تاریخ طبع ۱۲۶۳ھ درج ہے۔ دیوان سوم ۱۲۶۷ھ میں

## تذکرہ شعرا

مرتب ہوا، اس کی تاریخ منبر کے دوسرے دیوان میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ پاکستان میں ہے جس پر ایک منعمون مدت ہوئی لاہور کے ایک رسلے (غالباً ادبی دنیا) میں نکلا تھا؛ دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے کتب خانے میں ہے۔ اشپرنگر نے ان کی ایک مثنوی ترجمہ حدیث رحمت (طبع ۱۲۶۳ھ صفحات ۲۶، ہر صفحے میں ۱۳ شعرا) کا ذکر کیا ہے۔ بیت اول یہ ہے:

اگر ہوں بھلہ (لذا) سے فارغ افواہ کریں تمہید یوں الحمد للہ  
رشک نے اردو کا ایک لغت "نفس اللغۃ" بھی لکھا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا (ازائف  
سات) طبع بھی ہو گیا ہے۔

۹۷ کہلیات ناسخ میں سید علی فاضل کی کہ خدائی کی تاریخ صد ۳۶۲ (۱۲۳۱  
مکہ کہلیات میں ۱۲۵۱ مرقوم، مادہ: ہمایون و مسعود شد کہ خدائی)۔ سید علی فاضل  
کو حقنے کی مبارکباد ص ۳۶۱ (۱۲۵۱) تاریخ وفات برادر بزرگوار جناب سید علی  
اوسط ص ۳۶۲ (۱۲۳۲)۔ سید علی فاضل رشک کے بیٹے تھے، ان کا تخلص شوق  
تھا اور ان کے نام کا ایک خط منبر کے دیوان ۳ میں ۱۲۸۳ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔  
ناسخ کے ان اشعار میں جو ان سے متعلق ہیں یہ مصرع بھی ہے: "تو ہم ہستی اے نیکو  
قبلہ من" یہ سیادت کی وجہ سے ہے۔ یہ نہیں تو یہ کوئی دوسرے سید علی فاضل ہیں۔  
۹۸ رشک کو باپ پلے گئے تھے۔ منبر کے دیوان ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہیں  
۱۲۸۶ء میں وفات پائی۔ سنہ ہجری ۱۲۸۴ء، مادہ: عابد کامل و خاقانی  
عالم افسوس۔

۹۹ نامرو محسن نے نادر کو ناسخ کا شاگرد لکھا ہے اور تلمذ آتش کی طرف اشارہ  
نہیں کیا، ناسخ نے دونوں کے شاگردی کا ذکر کیا ہے؛ صغیر بلکہ اسی نے تلامذہ ناسخ  
کے ذیل میں ان کا حال لکھنے کے بعد شاگردان آتش کی فصل میں بھی انہیں داخل

## تذکرہ شعرا

کیا ہے؛ نساخ ان کو آتش و ناسخ دیوانوں کا شاگرد لکھتے ہیں۔ مگر انھوں نے دیوان عزیز میں ناسخ کا شاگرد لکھا ہے، (جلوہ خضر ۲ ص ۲۵۷)

۱۱۔ نادر نے نادر کے ۴ دیوان منقظوں میں مدح ائمہ کرنے اور ضلع اٹارہ کے ڈپٹی کلکٹر ہونے کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۔ محسن نے ان کے تذکرہ شوکت نادری کا ذکر کیا ہے، ان کا ایک تذکرہ بکتخارہ رضائیہ رامپور میں ہے، غالباً یہی۔

۱۳۔ شعر مصرع ۱: ن میں ”لڑی“ کی جگہ ”لٹی“ مصرع ۲ میں ”موتیا“ ن کے مطابق، ورنہ لکھنؤ کی زبان ”موتیے“ چاہتی ہے ۱۰۲۔ شعر ۱۳ مصرع اکامتن ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

۱۴۔ جلوہ خضر میں صغیر نے نادر سے اپنی ملاقات کا حال، ان کا ایک فارسی خط اور اپنی غزل پر ان کا ایک مختص درج کیا ہے:

”نادر، مرزا کلب حسین خاں ولد کلب علی خاں بنارس ڈپٹی کلکٹر اٹارہ تھے۔ ان سے تذکرہ شوکت نادری و دیوان محسن و دیوان مرثیہ و دیوان اردو و پنجین معنی یادگار ہیں۔ ان سے اور۔ حضرت صاحب عالم۔۔ سے بہت ملاقات تھی، اپنا دیوان لکھو اگر نانا صاحب کو بھیجا تھا۔ جب میں ۱۲۸۱ ہجری میں۔ شادی کے لیے بلگرام گیا اور وہاں سے۔۔ مارہرہ روانہ ہوا، رستے میں فرخ آباد پڑا۔ فتح گڑھ میں۔ جناب نادر نے ایک بنگلا بنوایا تھا، اس میں رہتے تھے۔ مخصوص ان کی ملاقات کے لیے میں نے فرخ آباد میں قیام کیا اور ایک بچے۔۔ ملاقات کو گیا، دو بچے پہنچا باغ میں بنگلا خوشنما تھا، غلام گردش میں دو چار کرسیاں کچی تھیں اور کمروں کے دروازے بند تھے۔ حیران تھے کہ کیوں نکر اطلاع کی جائے کہ ایک نوکر۔۔ ادھر سے گزرا اس سے کہا۔۔ وہ گیا اور آیا۔۔ لوگ کہتے ہیں کہ فن شاعری منحوس ہے، شعر کہتے کہتے ہیں ڈپٹی کلکٹر ہو گیا“ نادر

اور کہا کہ پوچھتے ہیں کہ آپ کون ہیں .. سنا تھا کہ .. شاعر کے نام سے فوراً چلے آتے ہیں، میں نے کہا جا کر کہہ ایک شاعر آئے ہیں، اس نے جا کر کہا کہ ایک سائل آئے ہیں، جواب ملا کہ .. کل صبح کو آئیگا .. میں نے پوچھا .. کیا کہا تھا اس نے کہا میں نے کہا تھا کہ سائل آئے ہیں میں ہنسنا اور کہا .. جا کر کہو شعر غزل کہتے ہیں اور یہ فقرہ میں نے ذرا زور سے کہا .. شاید .. سن رہے تھے، اکیبار .. دروازہ کھلا اور جناب نادرنہاٹے ہوئے بال پوچھتے سامنے آئے اور بولے کون حضرت ہیں .. میں سامنے گیا اور بولا .. سید فرزند احمد صغیر .. حضرت صاحب عالم .. کا حقیقی نواسہ .. اور میر محمد عسکری .. کا پر پوتا .. یہ سنتے ہی بیتا ہانٹے پاؤں باہر نکل آئے اور .. بنگلہ سر ہو کر اندر لے گئے .. مگر بہت آراستہ تھا، سامنے ایک مسہری لگی تھی، جس کا پردہ رنگین، گولے پٹھے سے آراستہ بھت کا پنکھا رنگین، پٹھا لگا ایک طرف مسند لگی، تکیے رکھے سب رنگین اور .. عمر پچاس سے متجاوز تھی .. مسند پر بیٹھے اور مجھے بھی بٹھایا .. حال پوچھا، میں نے .. کیفیت .. بیان کی .. معذرت کرنے لگے کہ معاف کیجیے گا اس نادان نے سائل کہا اس لیے میں نے صبح کو آنے کو کہہ دیا تھا .. مجھ سے پوچھا آپ کس کے شاگرد ہیں میں نے کہا جناب سحر لکھنوی کے .. فرمایا غدر میں وہ بلکہ ام ہونے ہوئے یہاں بھی آئے تھے، اور یہاں سے جا کر راہ میں انتقال کیا .. شعر پڑھنے کو کہا، اتنے میں جناب امداد حسین، صغیر فرخ آبادی، شاکر د .. سحر .. بھی تشریف لائے اور چند خوش مذاق بھی موجود ہوئے .. مجھے یاد کم رہتا ہے چند شعر سردیوان صغیر بلبل کے پڑھے، بہت تعریف کی اور خود جناب نادرنے اپنی بیاض نکالی اور اپنی غزلیں پڑھنا شروع کیا .. بیچ بیچ میں اگر مجھ کو اپنے شعر یاد آتے تھے تو ان لوگوں کے اہرار سے پڑھتا تھا، مگر ان لوگوں کا اہرار ہوا کہ پوری غزل پڑھیے .. اسی وقت .. ایک غزل کی فکر کی جب وہ پڑھ چکے تو میں نے سنائی .. یہ بھی کہا کہ ابھی کہی ہے، بہت تعریفیں ہوئیں .. جناب نادرنے گرویدہ ہوئے کہ دو چار روز میری شاعر کیجیے

میں نے عذر کیا کہ اشتیاق نانا صاحب کی قدیم موسیقی کا بہت ہے۔ جب مارہرہ سے واپس آوں گا بشرط موقع شریک مشاعرہ ہو جاؤں گا۔ فرمایا۔ ضرور آئیے گا اور مصرع طرح نکالا گیا۔ اے کاسل یا رکیا بلا ہے“ میں نے اس کا مشاعرہ مارہرہ میں کیا۔ افسوس مارہرہ میں اس قدر توقف ہوا کہ محرم کو دس دن باقی تھے کہ میں وہاں سے روانہ ہوا رستے میں توقف مناسب نہ تھا۔ غزل طرح جو مارہرہ میں کہی تھی۔ بھیجی اور بہت حذرت لکھی۔۔۔ اس وقت سے۔۔۔ رسم مراسلات جاری ہوئی اور ہمیشہ۔۔۔ عنایت نامے آتے رہے۔ تلخیص محلّی کا مسودہ بھی میرے سامنے پڑھا تھا، اکثر باتوں میں میں نے مشورہ دیا تھا اور بہت سے قاعدے بتائے تھے۔ اس پیمچداں کی باتوں کو انہوں نے مان لیا اور اسی طرح کتاب میں تحریر فرمایا۔ خط۔۔۔ بنام عنبر۔۔۔

”یک جلد تلخیص محلّی۔۔۔ امروز روانہ کردم۔ از لاہور تا بارہن قصبہ و شہرے قیمت

کہ اس کتاب نرسیدہ باشد۔ تا حال ہفت صد جلد فروخت شد و بیع و شراے آن جاریست۔ اگر بحسن تدبیر تدبیر سامی در افلاک صاحب گنج دآرہ و منظر پور دچہرہ و پٹنہ ہم۔۔۔ مروج شود بہ ازیں اصلے نباشد، چہ بندہ را بجز جناب سامی با کسے رابطہ و شناسائی در آن ملک نیست غالباً بدریافت قیمت کہ صرف یک روپیہ ہست، مردم در خریداری آن تا مل نمیکنند و در خوبی و جدت کتاب شکے نیست کہ برلے شاعر بہ ازیں ہدایت نباشد کہ از استاد مستغنی میکنند و دریائے در کوزہ بنداست۔

۔۔۔ مشاعرہ جاریست، چارم رجب۔۔۔ خواہد شد طرح اینست: ”حسن یوسف سے ترے حسن کو بہتر پایا“ غزل انخر سامی دیدم۔۔۔ یک یک مصرع یک یک دیوان لطف میدہد۔ بندہ ہم درین زمین از پیشتر غزل دارم نامید کہ در ہر خط دو یک غزل عنایت شدہ باشد کہ بہ ازیں از مغائے نیست و یک دو غزل کہ محض عاشقانہ باشد بخرضی تخمیں۔۔۔ عنایت فرمایند کہ بندہ دیوانے جداگانہ از محسنات ترتیب دادہ ام۔۔۔ میخو اہم کہ از کلام سامی

ہم آں دیوانِ خالی نیا شد بلکہ اگر کلام دیگر خوشگویان آں ملک ہم رسد خالی از لطف  
نست .. فتحدّھہ ۱۸۶۷ء "مخسّات کا دیوان چھپ گیا ہے" میں نے مدت ہوئی  
دیکھا تھا، صغیر کی نزل کے محسن کا ایک بند:

مطلق نہ کارگر ہوئی تاثیر آہ کی الٹی سزا ملی مجھے الفت کی چاہ کی  
حالت ہے اب یہ عشق میں مجھ بگیناہ کی دل سے گزرتی ہے نظر اس رنگ ناہ کی  
بو تل تراشتی ہے سرو ہی نگاہ کی

۱۰۲۲ مصحفی نے ریاض الفصحی میں لکھا ہے: "اذا ابتداء موزونی طبع کم کم خیال  
شعر فارسی و ہندی ہر دو میکہ دو اما میلان طبعش بظرف فارسی بیشتر بود و آں روز ہا  
کلام منظوم خود را بنظر فقیر میگذرانید" اس سے صاف ظاہر ہے کہ تلمذ اوائل ہی میں آیا۔  
آتش و مصحفی میں نزاع بھی ہوئی (رجوع بہ "مصحفی و آتش" از راقم صدائے عام  
عید نمبر)۔

۱۰۵ شعر ۱ مصرع ۲: دیوان میں "جو آنکھیں ہوں تو نظارہ الخ ۱۰۶ شعر ۳

مصرع ۱: تشبیہ نئی دوں ترے گیسو سے رسا کو الخ ۱۰۷ شعر ۴ دیوان مطبوعہ میں نہیں

۱۰۸ شعر ۵ مصرع ۱: زمیں یاں کی الخ ۱۰۹ شعر ۶ مصرع ۱: سرمہ منظور نظر ٹھہرا ہے

(دیوان مصحفی آتش میں ٹھہرا) الخ۔ یہ شعر اوروں کی طرف بھی منسوب (تفصیل آوارہ)

۱۱۰ شعر ۱ مصرع ۱: قرعوں سے نہ رکھ امداد کی امید مشکل میں الخ ۱۱۱ شعر ۲ یوں ہے:

وہ منصف ہوں اگر میں نے کیا ختم کلام اللہ ثواب سورہ یوسف دیار و ح زینجا کو

۱۱۲ شعر ۱ مصرع ۱: بھول جاتے سرو (کذا) شمشاد۔ سرو اور شمشاد کے

درمیان واو عطف چاہیے۔

۱۱۳ آتش کے دونوں دیوان مطبع محمدی لکھنؤ نے ۱۲۶۱ھ میں چھاپے تھے،

خود آتش نے تصحیح کی تھی۔ یہ نسخہ کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۱۲ دیوان طبع ہو چکا ہے، مگر اس وقت پیش نظر نہیں۔ ۱۱۵ خلیل کی ایک نارسی مثنوی بھی ہے جس کے اشعار خطاب ناصل مصنفہ سید محمد عباس شوستری میں شامل ہیں۔ بہادر شاہ (ظفر) کی طرف سے جو مثنوی غالب نے لکھی تھی خلیل کی مثنوی اس کے جواب میں ہے۔ خطاب ناصل میرے پاس موجود ہے، لیکن خلیل کی مثنوی کا کوئی نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔

۱۱۶ دیوان نوار رخ آل محمد (مطبع نورالانوار آراہ) ص ۵۵ میں ہے خلیل مرثیہ گو نے ۱۲۸۵ھ میں دفات پائی و غالب، سرور اور خلیل کی تاریخ دفات ایک ساتھ کہی ہے۔ ظاہر ہے خلیل نے جو مرثیہ بھی کہتے تھے۔

۱۱۷ تذکرہ ہذا اور تذکرہ ناصر کے سوا خلیل کا حال میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ ناصر کا بیان ہے، "میر ہدایت علی ہدایت تخلص کرنا تھا، جب میر دوست علی نے تخلص سوزش موقوف کر کے، خلیل کیا، اس نے بسبب اتحاد باطنی کے ہم صورت خلیل تخلص اپنا خلیل قرار دیا، القہر وہ شاعر خوش تقریر بسبب کسب عمل اور تخیل کے دیوانہ مطلق ہو گیا ہے۔۔۔" محب دلی اس مؤلف کا اور شاگردزگی۔ آتش کا ہے "۱۱۸ اس تذکرے میں خلیل کی دو غزلیں ہیں، ایک کی ردیف "میں آئینہ" اور ثنائی مکر نظر وغیرہ ہیں، دوسری درج ذیل ہے:

چاندنی ہراک سو ہے گل کی باغ میں بو ہے      بادہ ہے لب جو ہے ساقی پر پیرو ہے  
سنبل اس کا گیسو ہے غیرت چین رو ہے      شاخ گل وہ بازو ہے سرو قد لچو ہے  
تو ہے قاتل دوساں چشم ہے تری فتاں      تیرے ہیں صنم مرثاں گر کہاں وہ ابرو ہے  
ناز کی بدن میں ہے گل کی بودہن میں ہے      معجزہ سخن میں ہے چشم عین جا رو ہے  
میں جو صاحب ایماں کہتے ہیں وہ یہ مہراں      روئے یا ہے قرآن کعبہ طاق ابرو ہے  
باز دشمن روشن ہے ماہ نو وہ جوشن ہے      صبح اس کی گردن ہے آفتاب جگنو ہے

بے ترے ہے دیرانہ کعبہ اور بتخا نہ  
 ہوں ترا میں پر داندہ تنجہ انجن تو ہے  
 تنگ زندگی سے ہوں دل مرا مول ہے خوں  
 کیوں زہ میں گلا کاٹوں عشق تیغ ابرو ہے  
 دور سا غزل ہے فصل لالہ دگل ہے  
 عند لیب کا غل ہے قمر یوں کی کو کو ہے  
 یاد کر کے وہ دندان ہوں میں اے صتم گریاں  
 رشتک گوہر غلطاں میرا آتسو آتسو ہے  
 کیوں ترا دکا ہے دل کیا پڑی تجھے مشکل  
 فکر شعر سے غافل اے جنیل جو تو ہے

۱۹ اشاعر کا نام حسن نے علیم اللہ، شورش نے محمد علی (یہ بھی لکھا ہے کہ میں ۲۰

ہیں جانتا کہاں کے ہیں، مگر منتظر الہ آبادی، شاگرد بیتاب کے ترنجے میں محمد علیم  
 نام ہے) ابوالحسن امرا اللہ الہ آبادی نے خود ان کے ترنجے میں علیم (لیکن یحیائی  
 کے ترنجے میں محمد علیم) اور علی ابراہیم خاں نے محمد علیم لکھا ہے۔ فہرست اشیر نگر سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ سرور میں تو محمد علیم ہے، لیکن تذکرہ ذکا میں علیم الدین -  
 عشقی نے پہلے علیم اللہ، بیتاب کا ذکر (بہ تقلید حسن) کیا ہے اور اس کے بعد محمد علیم  
 بیتاب کا حال لکھا ہے، اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ ممکن ہے دونوں ایک ہوں -  
 اشیر نگر نے محمد علیم بیتاب، محمد علی بیتاب (اس لئے کے ساتھ کہ مقدم الذکر اور یہ  
 ایک ہو سکتے ہیں)، محمد علیم یا علیم الدین، بیتاب کا ذکر الگ الگ کیا ہے اور آخر میں  
 لکھا ہے کہ اگر آخری بیتاب زمانہ تصنیف تذکرہ ہاے سرور و ذکا میں زندہ تھے  
 تو یہ اور وہ بیتاب جن کا حال علی ابراہیم خاں نے لکھا ہے ایک نہیں ہو سکتے۔ ذکا  
 نے انہیں محمد اسمعیل بیتاب کے دھوکے میں معاصر آبرو لکھا ہے اور اشیر نگر سے اتفاق  
 کرتا ہے کہ اگر زمانہ تصنیف تذکرہ ہاے سرور و ذکا میں زندہ تھے تو نکلزار ابراہیم  
 کے بیتاب سے مختلف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد اسمعیل، بیتاب کو چھوڑ کر، یہ سب  
 ایک ہیں، اور اصلی نام محمد علیم ہے جو خود شاعر نے اپنی کتاب غایتہ الہمہ فی ذکر الصحابۃ  
 والائمہ (نسخہ رکتخانہ سسرتقیہ پٹنہ) کے دیباچے میں لکھا ہے۔

۱۲۰ مصنف نے اردو کے تذکرے میں جو صرف حیرت تخلص لکھا ہے اسے ایک

ہنہیں۔ صاحب مسرت افزا نے مراحت کی ہے کہ اردو میں بیتاب اور فارسی میں  
حیرت تخلص تھا۔ فارسی گوئیوں کے تذکرے روز روشن میں حیرت تخلص ہی کے تحت  
ذکر کیا گیا ہے۔ بیتاب کی فارسی گوئی کی طرف حسن نے بھی اشارہ کیا ہے۔ روز روشن  
میں جو چند فارسی اشعار میں درج ذیل کیے جاتے ہیں:

پیغام دوست عزت قاصد فزوں کند      تنزیل وحی رتبہ دہد جبرئیل را  
کثرت از وحدت اولیٰ کہ بکوش است شب      یار در خانہ آئینہ فروش است امشب  
چوں صبح کہ از مطلع خورشید ہوید است      چو بدم از چاک گریبان تو پید است  
تا بچو طفل بے پدر بے اعتبار افتادہ ام      قطرہ اشکم ز چشم روزگار افتادہ ام  
چہ پرسی باغبان در گلشن ہستی ز سامانم      بسان غنچہ دل تنگ برنگ گل پریشانم  
۱۲۱ حسن نے بیتاب کو معاصرین مرزا جعفر علی، حسرت و جرأت و مصحفی وغیرہ

میں شمار کیا ہے، لیکن یہ دراصل میر و سودا وغیرہ کے معاصر ہیں، بقول مصنف روز  
روشن جو قریب بایقین ہے کہ اس معاملے میں قاضی محمد صادق خاں، اختر کا  
مقلد ہے، ان کی وفات ۹۰ برس کی عمر میں ۱۲۲۳ھ میں ہوئی ہے۔ ذکا کے  
تذکرے کا آغاز اوخر ماہ دو از دہم میں ہوتا ہے اور اس نے ماہ سیزدہم کے  
پہلے عشرے میں کتابی شکل اختیار کر لی تھی (گو بہت بعد تک اضافے ہوتے تھے)۔  
تذکرہ سرور کی ابتدا تیرھویں صدی کے دوسرے عشرے کے اواسط میں ہوئی اور  
پانچ چھ برس کے اندر کتاب تیار ہو گئی (اس میں بھی بہت بعد تک اضافے ہونے  
رہے)۔ دناسی و اشپزنگ کا یہ قول کہ گلزار ابراہیم میں جس بیتاب کا ذکر ہے وہ  
ذکا و سرور کے تذکروں کی تصنیف سے پہلے ہی مرچکے ہوں گے، صیح نہیں۔

۱۲۲ بیتاب کے شعر آخر کا تن ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

۱۲۱۔ بیتاب الہ آباد کے اساتذہ قدیم میں ہیں اور ان کے ایک شعر قتل کر  
 الخ، کی تصمین فغاں نے کی ہے۔ بیتاب کے دیوان کا ذکر کسی فہرست میں نظر  
 نہیں آیا، الہ آباد میں کہیں ہو تو ہو۔ چند اشعار تذکرہ شورش سے نقل ہونے میں:  
 نہ پوچھ اے شیخ اس کافر نے بتخانے میں کیا دیکھا تجھے پتھر ملا کعبے میں یاں ان نے خدا دیکھا  
 یہی روشن رہے گا داغ مری پھاتی کا مری تربت پہ نہیں کام دیا باقی کا  
 نہ اپنے درد دل سے میں کچھ سمجھے آگاہ کرتا ہوں کروں کیا کچھ تو چل سکتا نہیں ہے آہ کرتا ہوں  
 نہ دے آتکعبین دے نظریں زوہ گفتار کیا باث اتنے نامہراں ہم پر ہونم اسے یا کیا باعث  
 اگر خاموش رہتے ہیں تو کب آرام ہوتا ہے دگر فریاد کرتے ہیں تو وہ بدنام ہوتا ہے  
 ۱۲۲۔ ادائل ماہ سیر ذہم کی ایک جھول المؤلف بیاض سے بیتاب کے اشعار

ذیل درج کیے جاتے ہیں:

اپنی حالت کو کیا کہوں بیتاب حال میرا تو سخت بدتر ہے  
 نہ مجھے بھر میں ملے ہے چین نہ مجھے بھلا ہی مہر ہے  
 نس پہ وہ شوخ جب نہ تب مجھ پر۔ کھینچتا ہر نگہ میں تجھ ہے  
 اب تو میں ہوں اور وہ ستمگر ہے اس طرف تیغ اس طرف سر ہے  
 جی جاوے تو کیا تم ہے رہے یا سلامت۔ گومتے ہیں ہم رہو وہ دلدار سلامت  
 اے باد صبا یا رجو یوں تجھ سے تھی پوچھے بیتاب مویا ہے وہ غمخوار سلامت  
 کہیو گھڑی مرنے سے گھڑی جینے سے وہ تو اس حال سے کوئی ہو نہ ایجا سلامت  
 بس آگے تو حالت کو تیں سکی نہ کچھ پوچھے۔ اب تک تو یہ کہتے ہیں وہ بیمار سلامت

۱۲۵۔ خاں کا ذکر کسی اول تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا۔ شعر مصرع ۲: ۲۱

”وہ“ کی جگہ ”یہ“ چاہیے۔

۱۲۶۔ فہرست اشعار: ”نصف شاہ محمد اعلیٰ، پسر شاہ ولی اللہ، بیتاب (تذکرہ مرود) ۲۲

دقاسی جلد ۲: "نجف شاہ محمد علی (حاشیہ اشیرنگا علی) الہ آبادی پسر شاہ ولی اللہ،  
 بیتاب (حاشیہ میرے نسخہ تذکرہ سرور میں عظیم اللہ) ہندوستانی شعرا میں محسوب ہیں۔"  
 کمال یہ ہے کہ جلد میں بیتاب، شیخ ولی اللہ معلم پانی پت پد محمد علی یا محمد علی، نجف  
 کا ذکر (بحوالہ تذکرہ ذکا) کر چکا ہے۔ (ولی اللہ، بیتاب مختلف شاعر ہیں، رجوع  
 بہ سخن شعرا ص ۷۷)۔ بیتاب نے اپنی کتاب غایبۃ الہمہ (آغاز ۱۲۰۶ھ، نظر ثانی و اتمام  
 ۱۲۱۹ھ) میں شاہ محمد علی نے لکھا ہے: "نور بصر، حاصل عمر پد، نجف علی، عرف  
 محمد علی زاد اللہ فی عمرہ" ورق ۲۔

۲۳ ۱۲۷ تذکرہ نامہ: "منظوم شاہ.. منظور ساکن الہ آباد، اولاد شاہ جمل  
 (اجمل) مگر یہ شاہ اجمل کی اولاد سے معلوم نہیں ہوتے) صاحب دائرہ، جن دوزخ میں  
 .. ناسخ.. دائرے میں دائر سائرتھے، شاہ صاحب کی اولاد تمام و کمال ان کی  
 شاگردی کی مقرر بلکہ شاگرد ہوئی۔ اس عزیز نے مصحفی کی محنت کو ضائع نہ کیا اور  
 دائرہ ہدیت ناسخ سے خارج رہا:

رہا دل کو وصال ساقی و میخانہ تربت میں فرشتوں سے کیا ہم نے طلب پیمانہ تربت میں  
 مرا خواب عدم سے چونک اٹھا اک قیامت تھا اڑا دیتا کفن کی دھجیاں دیوانہ تربت میں  
 بی جان طوائف کی تمنا سے یہ غزل.. کہی کہ قافیے میں ہر بیت کے نام اس کا  
 ظاہر ہوتا ہے،

ہو گیا بدن مجھے زاہد شرا بی جان کر شیشہ دل سنگ پر مارا گلا بی جان کر  
 ۱۲۸ سخن شعرا: "غلام حسین محمود بہ منظور شاہ باشندہ پنجاب شاگرد مصحفی،  
 بہت دنوں لکھنؤ میں رہے آخرا یام میں الہ آباد میں سکونت کی تھی"

۱۲۹ آب بقا مصنفہ خواجہ عشرت: "شاہ منظور دہلی کے شاعر تھے، میر کے شاگرد  
 .. ۱۲۵۱ھ میں انتقال کیا، قبر کاشان نہیں معلوم، کسی نے ناسخ.. کہی "ہائے نسوس

وایے مظلوم است.. مگر اس سے ۱۷۱۷ استخراج ہوتا ہے "امت" جو تاریخ نہ ہو تو البتہ ۱۲۵۶ نکلتا ہے۔

۱۳۱۱ سخن شعرا: بیمار.. سید زین العابدین، باشندہ الہ آباد عدالت ۲۴ میں سررشتہ دار تھے "روز روشن: بیمار، میرزین العابدین الہ آبادی از اولاد شاہ محمد افضل الہ آبادی و تلامذہ شاہ محمد علیم حیرت است۔ در فرخ آباد از عالم قافی بدار جادو دانی رخت سفر بر بست:

نالہ بلبیل کجا رنگینی ہم کجا دادہ ام صد غوطہ در خون بگر فریاد

بیمار در دل تو ندانم چہ درد بود بیمار کرد درد تو بیمار دار را

۱۳۱۱ فضل علی خاں کی نسبت تاریخ محتمم میں لکھا ہے کہ ان کے بزرگ

"نیلیا نان سلاطین دہلی" تھے۔ درق ۱۹۰، سوانحات جلد ۱ میں ہے کہ "جب پہلے دلی سے لکھنؤ آئے۔ سلیمان شکوہ.. کے ہاتھی پر نوکر ہوئے یہ ان کا عہدہ

آبائی تھا.. سوائے سید کے اور قوم نیلیا نی نہیں کر سکتا.. بعد کئی برس کے

بسفارش اپنی بیٹی.. فیض النساء مغلانی کے ملازم سرکار.. بیگم صاحبہ اغلی اللہ

حیدر کی بیانتا بیٹی) پھر رفتہ رفتہ دلورغہ ڈیور بھی ہوئے" ص ۲۹۴، اسی کتاب

میں ہے کہ معتمد الدولہ آغا میر نے "فیض النساء مغلانی اور معلمہ بادشاہ بیگم

صاحبہ کو اپنا مادر مہربان قرار دیا تھا" جب قید ہوئے تو بیگم ہی کی سفارش

سے رہائی ہوئی تھی ص ۲۴۱، لیکن یہ اپنے زمانہ وزارت میں بیگم کے سخت

مخالفت ہو گئے اور میر فضل علی کو گرفتار کرنا چاہا۔ بیگم نے ان کی حمایت کی، ممکن

تھا کہ کشت و خون ہو جاتا، لیکن انگریزوں نے مداخلت کی، اور میر فضل علی اور

ان کی بیٹی ادا اکل ۱۳۳۸ء میں روانہ ہوئی ہو گئے۔ میر فضل علی پھر یارس

گئے اور وہاں سے فرخ آباد۔ ص ۲۵۱۔ نصیر الدین حیدر کا زمانہ آیا، تو یہ اپنی

## تذکرہ شعرا

سوتیلی ماں بادشاہ سلیم صاحبہ کے زیر اثر تھے، میر فیض علی بہ اخفا لکھنؤ چلے آئے اور جب  
مختار الدولہ معزول اور خارج البلد ہوئے تو یہ وزیر مقرر ہو گئے ۲۹۵ - (خطاب  
اعتماد الدولہ وغیرہ)۔ تاریخ مختصم میں ہے کہ ایک شخص نے تاریخ کہی :

جاہ داوج وزارت چو پیلبا نے شد زینین جملہ نشینان پر وہ عہمت  
مورش برسر نعل فکر زنت و بگفت گرفت خوش سرا نکس بری بری دھت دھت

(بری بری دھت دھت کے ۱۲۲۲ اور سرآنکس (یعنی الف) کا الف = ۱۲۲۳ -)

نصیر الدین حیدر سے ان کی بنی نہیں، ایک انگریز نے ان کے اشارے سے ان سے شوخی  
کی، یہ خفا ہو کر گھر چلے آئے، اور نصیر الدین حیدر کے بلوانے پر بھی نہیں گئے۔ وہ خود آئے  
اور مناکرا اپنے ساتھ لے گئے، لیکن انھوں نے تمام معاملات سے علیحدگی اختیار کر لی اور  
خانہ نشین ہو گئے (تفصیل میں تاریخ مختصم اور سوانحات میں اختلافات)۔ صاحب  
سوانحات کا بیان ہے کہ اعتماد الدولہ نے "آلام روحانی" سے بتاریخ ۱۹ شوال ۱۲۲۵ء  
انتقال کیا ص ۳۰۶۔

۲۵ ۱۳۲ اس پریر و الخ "ی مصرع شاد نے مصرع کے ساتھ یوں نقل کیا ہے :  
"اس کے کالوں تک مدد پہنچا ہی دی نہ بخیر کی" مکتوبات شاد عظیم آبادی ص ۱۳۲-۱۳۳  
خجاندہ جاوید جلد ۱ میں "واہری الخ" دیو ان سے نقل ہوا ہے، "پیدا شیر" کے بعد  
مادر ساتھ ہو ہے۔

۱۳۳۳ نا صرنے اعظم علی بیگ، اعظم کا ذکر نہیں کیا، میر اعظم شاہ، اعظم شاگرد آتش  
کا حال اس طرح لکھا ہے: "بادشاہ کے مجرایوں میں تھے، حسب الارشاد حضرت اقدس  
.. تاریخ میں حقہ بہار محفل کی یہ مطلع کہا تھا، بغایت پسند ہوا:

۱۔ سوانحات ص ۲۹۱ میں ہے: "عاصم.. بٹے اسی طعن سے (نیلیانی) ان کی (میر فضل  
علی خاں) کی تاریخ وفات میں "بری بری دھت دھت" داخل کی ہے۔"

نہے محبوب و مسازے بسے بالطف نہ امانے بہار محفل و عیسیٰ دے داؤد الحانے  
 ۱۳۲۶ باطن کے تذکرے میں مرزا اعظم علی، اعظم شاگرد آتش متوطن الہ آباد کے  
 متعلق لکھا ہے کہ عملہ صدر میں بعدہ محرری ممتاز ہیں۔ عرصہ دوازہوا کہ عاصی کو۔ نیاز ہے۔  
 سن۔ قریب ۶۰ سال (اس تذکرے کا شہنشاہ اسعد الاخبار اگرہ بابت ۱۲۶۵ھ میں  
 چھپا تھا، لیکن اس کے بہت بعد طبع ہوا۔ سن قریب ۶۰ کس زمانے میں لکھا اس کا  
 فیصلہ مشکل ہے)۔ اس تذکرے میں منشی میر اعظم علی، اعظم سابق میر منشی مدرسہ اگرہ  
 کا بھی ذکر ہے۔ سخن شعرا میں سید اعظم علی، اعظم الہ آبادی منشی مدرسہ اکبر آباد کا ترجمہ ہے۔  
 جن کا دیوان لساخ کی نظر سے گزرا تھا (لساخ کو دھوکا ہوا، یہ سید نہ تھے)۔ مخزنہ مجاوید  
 جلد ۱ میں مرزا اعظم علی، اعظم ابن محمد رفعا، شاگرد آتش کے بارے میں مرقوم ہے کہ مدتوں  
 ملازم عدالت اگرہ رہ کر پیش پائی۔ صاحب دیوان مطبوعہ تھے، سال ولادت ۱۲۸۰ھ  
 (اس کی کوئی سند پیش نہیں کی)۔ واضح رہے کہ سکندر نامہ منظوم اردو شمارہ ۲۵ کا  
 نہیں میر اعظم علی، اعظم کا ہے۔

۱۳۵ سخن شعرا: ذاکر۔ مولوی ذاکر علی بناری خلیف مولوی فضل علی شاگرد ۲۶  
 مصحفی، شعر خوب کہتے ہیں، صاحب دیوان ہیں، ۱۳۶۶ ذاکر کے ایک شاگرد نکیت کی  
 مشنوی گلزار مسعود (سال آغاز ۱۲۸۰ھ) مطبوعہ ہے مگر ناقص الادل، اس لیے  
 سال طبع نہیں بتا سکتا) میں یہ ابیات ذاکر سے متعلق ہیں عنوان یہ ہے: "داستان توصیف  
 مولانا ذاکر علی مع خاندان و حال استاد۔ یعنی سید مصحفی ہمدانی۔"

گر امی نژاد اور والا نسب مشائخ مکرم بہ الطاف رب  
 سخن سنج استاد ذاکر علی ہوئے جیسے (کذا) معنون ہر اک منجلی  
 تھے مجز منان اشعار میں ہزاروں میں نامی نہ دوچار میں  
 سخنور تھے گو ان کے جد و پدر یہ فن خاندانی تھا ہر چند پر

کی اس فن میں شاگردی مصحفی کہاں چھوٹے اشرافوں سے اثر فرنی  
 کہ تھے مصحفی شہر ہمدان کے شیر ہوا کوئی شاعر نہ ان پر دلیر  
 یہ اعزاز آصف انھیں لائے یاں لڑائی میں رلوڑ کے وہ آئے یاں  
 عرض لکھنؤ میں بعزت تمام رہا زندگی بھر وہ شیریں کلام  
 سخنور ہوئے فیض سے بحساب بہت اہل دیوان اہل کتاب  
 پہ شاگردا کامل تھے ذاکر علی بہت مانتے ان کو تھے مصحفی  
 کہ اکثر کلام ان کے لے کر بہ شوق کلاموں سے اپنے دیے ذب و ذوق  
 چنانچہ ہے اس قلعے سے آشکار۔ برائے سندس یہ ہے یادگار  
 پاؤں گر کر قدم لیے ان کے جن کا بندہ ازل سے مسفتوں ہے  
 مصحفی یہ ہے قول ذاکر کا۔ "خاکساری بھی زور افسوں ہے"  
 رہا ذاکر ذاکر انھیں ہر زمان انھیں مصحفی کے تکلم کا دھیان  
 پس مرگ بھی یہ بصد امتیاز دلاتے رہے مصحفی کی نیاز  
 پڑھانے کے استاد فضل علی کہ باپ ان کے تھے اور استاد بھی  
 فقیہ زمان عالم با عمل عبادت گزریں ماہر ہر مل  
 پسر تین رکھتے تھے فضل علی بصورت وہ عالم بہ سیرت ولی  
 نولد ہوئے پہلے ذاکر علی پناہ علی بعدہ منجلی  
 پسر سومی کا ہے عبد اللہ نام ہر اک ان میں ناضل اور عالم تمام  
 ہوئے گرچہ ذاکر علی کے خلف جواں ہو کے ہو ہو گئے سب تلف  
 پسر دومی کے کئی ہیں پسر کلام سب میں نور الدین ممتاز نثر ..  
 تخلص وہ کرتے تھے خاص اپنا نور منور ہیں دیواں کے بن السطور ..  
 پسر سومی کے پسر ایک ہیں محمد عمر نام ہے نیک ہیں ..

ذکی فہم بدرک طبیعت سلیم      تخلص دہ کرتے ہیں اپنا کلیم ..  
 ہوئی مثنوی ان کے کہنے سے ہے      مسلسل ہوئی ان کے رہنے سے ہے  
 بہت سے ہیں شاگرد استاد کے      کہاں تک بیاں ان کا کوئی کرے  
 قریں سیف و عابد و شیدا و تاج      شمیم اور صدیق رضواں سراج  
 متین خاور و جوش و مکت امیر      ہلال اور بیتاب شاعر صغیر

مصحفی کا ہمدانی اور سید ہوتا، آصف (آصف الدولہ) کا انھیں کسی لڑائی  
 کے موقع پر بہ عزاز لانا یہ سب اختراعی باتیں ہیں۔ مصحفی کے کسی دیوان یا تذکرے میں  
 ان کا ذکر نہیں؛ یقین ہے کہ مصحفی کے زمانہ انھوں کے شاگرد ہوں؛ قطعہ جلی معلوم  
 ہوتا ہے۔

۱۳۷ سراپا سخن: "میرعباس، عرفان دہلوی اور کچھ مال معلوم نہ ہوا، بنارس  
 میں شعر ان کے شاہزادہ نیاض الدین نے پڑھے تھے لکھ لیے "سخن شعرا: عرفان .."  
 میرعباس دہلوی بڑے قوار تخی داں تھے "اس تذکرے میں جو اشعار ہیں ان میں سے  
 ایک سراپا سخن میں بھی ہے۔ یہ فیصلہ مشکل ہے کہ اصلی وطن کہاں تھا۔ ۱۳۸ شاہزادہ  
 سے جہا ندار شاہ کے اختلاف میں سے کوئی شاہزادہ مراد ہے۔ جہا ندار شاہ نے بنارس  
 میں وفات پائی تھی اور ان کی اولاد وہیں رہی۔

۱۳۹ "میں نخل الخ" یہ شعر باطن کے تذکرے میں اس طرح ہے اور مسلوب

بہ مصحفی۔ (مصرع ۲ ن میں ناموزوں):

دہ نخل جنا ہوں کہ جو سر بھی مرا کٹا جائے      نون دست بدست اپنا حسینوں ہی میں بٹ جائے  
 ۱۴۰۔ ریاض القحطا: "سرفراز علی بیگ قادر، شاگرد عیشی، عمرش قریب سی"

سراپا سخن: "مرزا سرفراز علی مرحوم قادر خلف مرزا امید کتبہ دار و غہ میر علی مرثیہ خواں  
 کے تھے، باشندہ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد .. عیشی، تذکرہ ناصر میں کوئی نئی بات

نہیں۔ اس میں حسب ذیل شعر قادر سے منسوب کیا ہے جو دیوان وزیر میں بھی ہے:  
ایک عالم نے جبہ مسائی کی اے جو تم نے بھی خدائی کی

۱۲۱۔ شاعر زیر بحث نے حدیقۃ الارشاد اور محامد حیدریہ میں اپنا نام محمد صادق لکھا ہے، اس لیے ۸ اکتوبر ۱۸۴۹ء کے اسود الاخبار اگرہ میں جو محمد صادق علی خاں ہے، اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ نام کے ساتھ پہلی بار لفظ خاں محامد حیدریہ کی ایک تقریب میں نظر آتا ہے۔ ان کے والد کا نام محمد لعل تھا اور ۱۸۴۹ء یا اس کے بعد تک قاضی ہنگلی تھے (کیلنڈر آف پرتھوین کر سپونڈنس جلد ۵ ص ۲۳۸)۔ نامہ کا بیان ہے کہ ان کا سلسلہ نسب خواجہ عبد اللہ احرار تک پہنچتا ہے اور ان کے بزرگ ترکستان سے دہلی اور وہاں سے بنگالہ گئے تھے۔ عہدہ قضا و خدمت صدر الصدور۔ خاندان میں مفومن۔ اسی کا

قول ہے کہ سال ولادت لفظ اختر (-۱۲۰۱) سے نکلتا ہے؛ حدیقۃ الارشاد کے دیباچہ سے اس سال پیدائش کی اس طرح تصدیق ہوتی ہے کہ اس میں عمر ۲۵ سال لکھی ہے اور اس کا سال تصنیف ۱۲۲۶ء ہے۔ صبح گلشن میں نواب دائق علیجاں، دائق خلف یار بیگیاں رئیس ہنگلی کو ان کا خسر لکھا ہے۔ یہ مسلمات سے ہے کہ قاتل کے شاگرد تھے اور قرینہ ہے کہ لکھنؤ جانے کے بعد تلمذ اختیار کیا ہو گا۔ وہاں کب جانا ہوا اس کے متعلق قطعی غور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن حدیقۃ الارشاد ۱۲۲۶ء میں نواب نصیر الدولہ زبیر کو شاہ اور محمد علی شاہ کی فرمائش سے لکھنؤ میں لکھی تھی۔ اس کتاب کے دیباچے میں انھوں نے ایک صیبت عظیم کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی: "از بنیادی انتشار طباشیر صحیح تاحال .. بانٹائے عوارف غریب و منشآت بدیع .. راعب بود۔ ناگاہ .. وحشت افراد اقمہ ام پیش آمد کہ تخیل آں دل آسودگان اطمیناں سر لے وحدت

۱۔ اشپر نگر نے ریاض الوفای کے حوالے سے خود اشکر کا نام محمد حسن لکھا ہے ص ۱۶۶۔ یہ صاحب ریاض نہیں، خود اشپر نگر کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

در اضطراب جاوید... و پائے کوہ را بجنیا ند... دناک ستیزہ کار با من نزوح کج باحت  
 و میان من دآں شغل دلپذید سنگ تفرقه انداخت .. طبعیکہ ہمیشہ محکوم .. بود بر سلطان  
 خرد آفتد مستولی شدہ کہ عنان شکیبائی از دست دادہ .. چار و ناچار از کار بیکار و دلا  
 تو ذیخودہ بودہ ، در گوشہ ناکامی انزوا و تمکن اختیار نمودہ ، عمر گرانمایہ را در عبادت  
 معبود .. بسر میبرد " اس کے بعد نصیر الدولہ کی فرمائش کا ذکر ہے ۔ نام لکھنؤ ہے کہ  
 " پیش ازین .. خدمت منشی گری صاحب کلاں لکھنؤ سے ممتاز تھا بعد اس کے ..  
 غازی الدین حیدر نے گھر سے اس کو طلب کیا اور عہدہ تالیف و تصنیف پر ہزار  
 روپے کا نوکر رہا " میں ان باتوں کی تصدیق یا تکذیب سے قاصر ہوں ۔ خود اختر نے  
 دیباچہ محمد حیدر یہ میں لکھا ہے کہ غازی الدین حیدر کے جلوس کی خبر سن کر ۱۲۳۵ھ  
 لکھنؤ آیا محاصرہ خدمت ہوا اور غلٹ پایا ( غالباً خطاب خانی بھی ملا خواہ خلعت کے  
 ساتھ یا اس کے بعد) ۔ محاصرہ فرمائش شاہی پر لکھی تھی اور بطور نذر پیش کی تھی ۔  
 غازی الدین حیدر ۱۲۲۹ھ میں مسند نشین اودھ ہوئے تھے ، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی  
 نے انھیں خطاب شاہی ۱۲۳۵ھ میں دیا تھا ، اور محمد حیدر سے صاف ظاہر ہے کہ  
 خبر جلوس سے اعلان بادشاہی مراد ہے ۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ ۱۲۲۹ھ میں یا  
 اس سے پیشتر لکھنؤ آکر چلے گئے تھے اور عہدہ غازی الدین حیدر میں دوسری بار آئے تھے ۔  
 شمع انجن معنفہ و ہدیہ حسن خاں میں یہ بھی مرقوم ہے کہ غازی الدین حیدر نے انھیں  
 ملک الشعرا کا خطاب دیا تھا ، مگر قدیم تذکروں سے جو اس وقت پیش نظر ہیں  
 اس کی تصدیق نہیں ہوتی مگر اسود الاخبار میں نام سے قبل ملک الشعرا نام کا  
 بیان ہے کہ بعد برہمی عہد دولت .. خلد مکان ( غازی الدین حیدر ) وفات ۱۲۲۲ھ  
 ضلع کاپور میں نوزدہ سال سے برہمنہ تحصیلداری مامور رہا ، حالیا ( ظاہر ۱۲۲۲ھ )  
 عرصہ دو سال سے وارد لکھنؤ ہے " سوانح سلاطین اودھ جلد ۱ ص ۲۸ میں ہے کہ

سلیمان شکوہ، پسر شاہ عالم کے بڑے بیٹے مرزا منظر بہادر جب اپنی اولوالعزلی سے لکھنؤ سے .. راہ چوتانہ میں گئے قاضی محمد صادق خاں، .. اختر نواب معین الدولہ .. وغیرہ اکثر شرفی لکھنؤ بھی ساتھ تھے، بہت سے ہاتھ پاؤں مارے، کچھ کچھ ہر راہ سے پیشکش ملی بعد کئی برس کے سرگرداں ہو کر پھر آئے، رفقاے سفر اپنی تلاش محال کو ہر طرف چلے گئے، سلیمان شکوہ نصیر الدین حیدر کے پہلے سال جلوس رسد ۱۲۳۳ھ میں ان سے تا موافقت کی وجہ سے لکھنؤ چلے گئے تھے، یہی زمانہ اختر کے بھی لکھنؤ سے نکلنے کا ہو گا۔ بقول ناصر عہد امجد علی شاہ (وفات ۱۲۶۳ھ) میں لکھنؤ واپس آئے، لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس سے قبل وہ کہاں کہاں رہے۔ حاشیہ تذکرہ نامہ (ترجمہ مرزا محمد تقی، اختر قرابت دار منتظم الدولہ) میں یہ حکایت بھی درج ہے کہ ایک روز واجد علی شاہ .. نے اپنے عہد سلطنت میں محمد صادق خاں اختر .. اور اس بد اختر کو .. طلب کیا اور .. بہت خاطر داری فرمائی، اور قیصر باغ کے برج میں حضرت سلطان عالم اختر اور محمد صادق خاں اختر اور یہ اختر .. یکجا ہوئے۔ اتفاقاً اس دن محمد صادق خاں کے کان میں درد تھا اور سلطان عالم کے گوش مبارک میں کہ از حد ثقل سماعت ہے اور یہ بد اختر .. مدام کا بہرا ہے۔ یہ تینوں بہرے ایک برج میں .. جمع ہوئے اور حضرت نے کلام اپنا ان دونوں اختروں کے آگے پڑھا ان دونوں نے تو سنا کچھ نہیں لاکن داہ داہ کا غل مجایا بعد ان کے ان دونوں بہروں نے اپنا اپنا کلام .. پڑھا، حضرت نے بھی بغیر سے تعریف فرمائی۔ ایک مصاحب خاص وہاں حاضر تھے کہنے لگے کہ تین کانے تو سنے تھے لیکن آج تین بہرے دیکھے۔ الغرض سلطان عالم نے .. فرمایا کہ تم دونوں صاحب اپنا اپنا تخلص ہم کو دو۔ ان دونوں .. نے دست بستہ عرض کیا بہت بہتر بنانا پھر حضرت نے محمد صادق خاں .. کا تخلص خوشتر بخویز فرمایا اور اس بدتر کا تخلص بہتر بخویز ہوا بعد اس کے ان دونوں .. کو خلعت دیکر رخصت کیا

روز روشن میں ہے کہ آخر عمر میں واجد علی شاہ کی لاکری کی۔ ۳ ستمبر ۱۸۴۹ء کے  
 اسد الاخبار میں یہ خبر درج ہے کہ واجد علی شاہ حملہ سجدری کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔  
 مدیر اخبار نے صاحب زبدۃ الاخبار کی اس رائے سے اتفاق ظاہر کیا ہے کہ ”اگر حضرت  
 سلطان فی اس کام کو جناب ملک الشعرا، قاضی محمد صادق خاں، اختر کو سپرد کر دیں تو کیا  
 خوب ترجمہ ہو اور خود بدولت امور سلطنت کے نظم میں توجہ کریں تو کس خوبی سے ملک  
 آراستہ ہو“ اس سے گمان ہوتا ہے کہ اس وقت تک اودھ میں تھے، لیکن ۱۸ اکتوبر  
 سنہ مذکور کے اسد الاخبار میں ہے: ”اگرچہ ضلع آبادہ مرزا کلب حسین خاں بہادر  
 (شاعر ۱۶) ڈپٹی کلکٹر کے اقدام سے رونق بے اندازہ رکھتا تھا مگر اب بسبب قدم  
 قاضی محمد صادق علی خاں، اختر جو دہاں کی تحصیلداری پر مقرر ہو کر تشریف لائے۔ آبادہ  
 کی کچھ اور ہی رونق ہو گئی۔ آج کل کہ قاضی صاحب کے اذعان حمیدہ سے ہر دیار کے  
 لوگ خوب واقف ہیں، اس شہر کے رہنے والے ان کے تشریف لانے سے ایسے  
 خوش ہیں کہ گویا خضرؑ! اس سلسلے میں نادر نے جو تاریخی قطعات کہتے تھے ان میں  
 سے ایک یہ ہے:

محمد صادق خان خواہیں کہ گو بندش نکو اختر نکو نام

پے تاریخ استقلال خدمت ز تادار گوش کون منظور محام

”استقلال خدمت“ سے نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے غیر مستقل طور پر لیا کرتے تھے۔ بہر حال اسپرنگ

کتاب ہے کہ ۱۸۵۳ء میں کسی جگہ ساپور کے قریب ڈپٹی کلکٹر ہیں، لیکن محسن ظاہر

۱۲۶۹ھ میں لکھتا ہے کہ ”ہمیشہ عمدہ عمدہ پر مامور ہے اب تحصیلدار آبادہ

ہیں“ روز روشن میں ہے کہ شورش ۱۸۵۷ء کے ختم ہونے کے بعد لکھنؤ میں قائم ہوئی

اور وہیں دنات پائی۔ اس کتاب میں اختر کی مہارت کیمیا و سیمیا و ہیمیا کا ذکر ہے

اور نسخہ نے ان کے کمال شعبہ بازی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۲۲ تصانیف: (۱) دیوان اردو کا ذکر محسن وغیرہ نے کیا ہے، اس پر ایک مقالہ جناب اثر نے لکھا ہے جو ”چھان بین“ میں شامل ہے (۲) دیوان فارسی کا ذکر محسن وغیرہ نے کیا ہے (۳) حدیقتہ الارشاد انشا کی کتاب ہے (۴) نور الانشا (شمع الجمن) (۵) گنج نیرنج (سخن: شعرا) (۶) لوامع النور محبت (ناصر) روز روشن میں لوامع النور فی وجوہ الملتثور (۷) مفید المستفید (ناصر) (۸) بہار بخزاں (ناصر) (۹) گلستانہ محبت (۱۰) نقود الحکم (شمع الجمن) (۱۱) بہار اقبال (ناصر) (۱۲) صبح صادق (مطبع مصطفائی ۱۳۶۸ھ) کے موضوع کے بارے میں اشپرنگر کو دھوکا ہوا ہے، وہ سمجھا ہے کہ اس میں اثر نے خود اپنے حالات زندگی لکھے ہیں۔ اس میں ایک آدھ واقعہ تو ضرور ہے، لیکن اس کا کوئی خاص موضوع نہیں، محض قوت انشا پر داری دکھانے کی غرض سے لکھی گئی تھی (۱۳) آفتاب عالم کتاب ”تذکرہ شعراے فارسی بہ تعداد ۲۲۴۲ سخنوراں۔۔ تاریخ ابتدا۔۔ مسابح البلخا (= ۱۲۳۸) و در بعض حواشی آں بخط مؤلف و بنیادہ مبہضہ اش کہ بجگ اصلاح مؤلفش مزین است تاریخ ختم ۱۳۶۹ھ از ہجرت۔۔ نگاشتنہ“ (روز روشن)۔ (۱۴) محامل حیدر یہ ۱۳۳۸ھ میں تمام ہوئی اور مطبع شاہی میں ٹائپ میں چھپی، دوسری بار ۱۳۷۷ھ میں طبع ہوئی۔ مصنف نے ظاہر اسی کو مناقب حیدر یہ لکھا ہے۔ موضوع غازی الدین حیدر کی مدح ہے، لیکن ضمناً اور چیزیں بھی آگئی ہیں، مثلاً حکایات، بیان صنائع و بدائع، نوزہ خطوط، حالات انخاص۔ (۱۵) ہفت اختر انشا (اشپرنگر) (۱۶) مشنوی سرا یا سوز معنہ ۱۳۳۳ھ، تقریباً ۱۶۵ اشعار مطبوعہ، مطبع مسیحی لکھنؤ

۱۸ صفحہ (ہر صفحے میں ۳۸ اشعار) بیت اول:

خلق عالم سے مد علیہ عشق      منظر ذات کبریا ہے عشق  
(اشپرنگر)

## تذکرہ شعرا

(۱۷) متنوی سوز و ساز (کتبئی نہ مشرقیہ پٹنہ) ۲۱ ادراک (ہر صفحے میں ۱۶ شعر) تقریبات مزید برآں۔ زمانہ تصنیف نور شاگرد اختر کے اس شعر سے معلوم ہوتا ہے:

اس کی چاہے اگر کوئی تاریخ ہے بیان شہادت عاشق = ۱۲۲۷  
بیت: عشق ہے نور سے گرنا یہ عشق ہے ذات شخص بے سایہ

۳۰۔ اندوہ کا ذکر ریاض الفضا اور ان کے والد قسمت (شاگرد مصحفی) کا ترجمہ۔  
تذکرہ ہندی میں ہے۔

۱۲۲۷ نام امداد علی (تذکرہ ناصر) ولد شیخ امام بخش رنجوئے واسوخت

مرتبہ عیش)۔ ناصر نے کچھ ایسے الفاظ ان کے متعلق استعمال کیے ہیں کہ ان کے با  
ان کے بزرگوں کے فیلبان ہونے پر شعر میں: "بلند آوازگی میں نقارہ فیلی"  
بیت کی کرسی سے ایوان گر دوں پست اور سلسلہ نظم از بخیر فیل مسرت، ...  
یا علی مدد، بری بری دھت دھت، چند اشعار "نکس است" وطن اصلی  
فیض آباد، دیوان میں ہے:

۲۳۹ پوچھنا بھی ہے عبت حال خوابی وطن بکر ہی جب نہ رہے کیا فیض آباد ہے

امیر مینائی نے ۱۲۹ھ میں عمر ۶۵ سال بتائی ہے، اس سے زمانہ ولادت

معلوم ہو سکتا ہے۔ (انتخاب یادگار) ان کی عروض و قافیہ سے بہت اچھی داہنہ،

کا ذکر ناصر و عیش نے کیا ہے۔ ناسخ کے شاگرد تھے۔ مگر ناصر کہتا ہے کہ ان کی

"زبان پر یہ تذکرہ تھا کہ شیخ صاحب کہتے تھے میرے شاگرد مجھ سے بہتر، خود پسندی

ان پر تمام اور ناپسند (کذا) کلام خاص و عام، عیش نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی

آواز میں رعشتم زیادہ ہے اس سبب سے شعر کم پڑھتے ہیں۔ بکر کا دربار امپیر

سے توسل ہو گیا تھا، لیکن ان کی وفات یکھنویں ۱۳۱ھ میں ہوئی (جلوہ خضر)۔

بحر کا دیوان زندگی ۱۲۵۲ھ میں مرتب کیا تھا، ریاض البحر تاریخی نام ہے :-  
 بحر کہنے میں : جامع اس دفتر کے میں سید محمد خان زند اس سراپا لطف کا یہ  
 بحر پر احسان ہے ص ۲۸۳ لیکن دیوان ۱۲۸۵ھ میں طبع ہوا اور اس وقت  
 ہی نام رہنے دیا گیا۔ زند شورش ۱۲۵۷ھ سے قبل ہی وفات پا چکے تھے، ظاہر  
 ہے کہ ان کے مرتب کردہ دیوان میں وہ اشعار بھی جو انطباع سے قبل تک  
 لکھے گئے تھے اضافہ کر دیے گئے ہوں گے۔ یہ دیوان ۲۸۲ صفحوں پر مشتمل ہے  
 اور ہر صفحے میں کم و بیش ۳۴ اشعار ہیں۔ اس میں غزلیں اور رباعیوں کے  
 سوا اور کچھ نہیں۔ امیر نے جو ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے اس سے بیشتر  
 لکھا ہے : ”یہ ان کے کلیات مطبوعہ کا انتخاب ہے“ منتخب کلام میں دو قصیدوں  
 کے بھی چند اشعار ہیں جو کلیات مطبوعہ میں موجود نہیں۔ ان دونوں  
 قصیدوں کا رامپور سے تعلق ہے، ایک ۱۲۸۵ھ سے قبل کا اور  
 ایک اس کے بعد کا ہے۔ عیش کے مجموعے میں ان کے دو دوا سوخت بھی ہیں اور  
 قواعد اردو سے متعلق ایک مختصر سا سالہ کتب خانہ رفائیہ رامپور میں ہے جسے  
 میں نے محض سرسری طور پر دیکھا تھا۔ صغیر نے ایک اردو خط بھی ان کی طرف  
 منسوب کیا ہے (جلوہ مختصر ۲) ۱۲۷۵۔ بحر کا شعر جو تذکرہ ہذا میں ہے دیوان  
 مطبوعہ میں نہیں۔

۱۲۷۶ علی حسین خاں نہیں، صحیح نام حسین علی خاں ہے (مصحفی و شیفقتو

نام وغیرہ)۔ ان کے والد امیر الدولہ حیدر بیگ خاں سرفراز الدولہ نائب  
 آصف الدولہ کے نائب تھے۔ مگر چونکہ سرفراز الدولہ امی محض تھے، عمان  
 انتظام دراصل انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ ان کا سال وفات لفظ ”غور“  
 سے نکلتا ہے (۱۲۰۶ھ) قطعہ تاریخ وفات کلیات نامہ میں بھی ہے ص ۳۹

مصحفی کا قول ہے کہ حسین علی خاں، اثر کو ”شیدہ گری“ میں موتھار (ریاض الفضا) نامہ کا قول ہے کہ ”کون سا ہفتہ تھا کہ شاعروں کی صحبت ان کے دو لختا نے میں نہ ہوتی تھی۔ اسی میں دولت ان کی صرف ہوئی۔ بیک چہتم زدن گردش پر رخ کہن نے اس مختتم روزگار کو عدم کر دیا اور مشوقی شاعری کو کم ”کریم الدین کہتا ہے کہ ”بڑے رتبے کا عرضی سننے میں آیا ہے“ دتاسی اور کریم الدین دونوں نے انھیں آصف الدولہ کا بھانجا لکھا ہے، یہ غلط محض ہے۔ ان دونوں نے ان کی عمر ۹۲ سال بتائی جس کی صحت میں مجھے شبہہ ہے، سال وفات دتاسی ۱۸۶۵ اور کریم الدین ۱۳۵۰ لکھتا ہے؛ قول اول تو کسی طرح صحیح نہیں، قول آخر قرین قیاس ہے۔ صغیر کا بیان ہے کہ ”اپنے دیوان کو خوشخط لکھو اگر مطلقاً مہذب کیا تھا اور شعر اکی دعوت کر کے اپنا دیوان تکیے پر رکھ کر سنایا کرتے تھے“ (جلوہ مخضر) سر پیام کا قول ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور میں ہے۔

۱۲۷۔ مرزا حاجی عرف، اصلی نام فخر الدین احمد خاں، خطابات افتخار الدولہ، ۳۲

محین الملک، صولت جنگ (خاتمہ دستور فصاحت ص ۱۲)۔ تخلص مہر نہیں فرمے (خاتمہ دریاض الفضا وغیرہ)۔ مصحفی نے ان کی عمر ”متجاوز اذ چہل“ بتائی ہے اور خاتمہ دستور فصاحت میں تخمیناً چہل و پنج ہے۔ یہ اندازہ میری رائے میں تیرھویں صدی کے تیسرے عشرے کے ادا خرا کا ہے۔ خاتمے میں یہ بھی لکھا ہے کہ سات آٹھ برس سے شاعری کا شوق ہوا ہے۔ تلمذ قلیل خاتمے کے علاوہ ریاض الفضا وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔ ان کے والد مرزا فخر الدین احمد خاں عرف مرزا جعفر بھی شاعر تھے، مگر فارسی گو (ریاض الفضا)۔ یہ کرنیل بیلی ریڈنٹ لکھنؤ کے متوسلین سے تھے، اور صاحب سوانحات سلاطین اودھ کا قول صحیح ہے تو غازی الدین حیدر کی مسند نشینی میں انھیں بھی دخل تھا (جلد ۲ ص ۲۰۷)

یہ نیابت کے امیدوار تھے، لیکن، غازی الدین حیدر اس پر راضی نہ ہوئے اور ”مرزا جعفر بہت غم و غصہ کھا کر آخر بسبب سن تھیجو تخت مسلول و مدقوق ہوئے“ مگر اس کے باوجود نیابت کی طرح میں جلی کے ساتھ کانپور گئے۔ واپس ہوئے تو بیماری اور بڑھ گئی۔ آخر کار ناکام اس جہان سے الٹ گئے، (سوانحیات ص ۲۰) و نوات ۲۳ھ (ریاض الفضا)۔ غازی الدین حیدر مرزا حاجی کو جو ان کے مقررین خاص سے تھے، نائب بنانے کے لیے تیار تھے، مگر اس بنا پر کہ باپ کو بہت ناگوار گزرتا، راضی نہ ہوئے۔ بعد و نوات مرزا حاجی غازی الدین حیدر کا ان کی طرف بہت التفات رہا اور اس وجہ سے ان کے یہاں لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ غازی الدین حیدر نے ان کے بیٹے اور بھائیوں کو نظامت بھی دی۔ انھیں ڈر تھا کہ بھائیوں کو نظامت ملنا ان کے لیے مشکلات پیدا نہ کرے، مگر اس پر راضی ہی ہونا پڑا۔ ان کا اندیشہ غلط نہ تھا، معتمد الدولہ نے محاسبہ کیا، پانچ برس یہ اور ان کے بھائی اپنے گھر میں قید رہے۔ معتمد الدولہ اس پر بھی مطمئن نہ تھے، وہ ایک ایسی چال چلے کہ غازی الدین حیدر کو ان کے اخراج کی اجازت دینی ہی پڑی اور یہ بتاریخ دہم ربیع الثانی ۱۲۲۸ھ (یہ دراصل ۱۲۳۸ھ) مطابق ۱۸۲۲ء لکھنؤ سے کانپور گئے۔ (سوانحیات جلد ۲ ص ۲ وما بعد)۔ یہ قول صاحب سوانحیات کا ہے کہ معتمد الدولہ نے عیاری سے انھیں نکالا، لیکن، صاحب تاریخ محتشم کا بیان کچھ اور ہے: ”مرزا حاجی بمجاسیہ، از دو بار موثوق شد، پود از چند سال بودنش در شہر مناسب لہ کلیات ناسخ میں بعنوان ”تاریخ“ یہ قطعہ موجود ہے، اس کا تعلق اخراج سے ہے۔

ماہ چارم دیا ز دہم خوار قمر شد ہائے افسوس ص ۳۹  
گفتم سال اخراجش شہر بدر شد ہائے افسوس ص ۱۲۳۸

## تذکرہ شعرا

ندا لسنہ اخراج یافت و تعلیقہ خانہ اش گردید و سببش این بود کہ شخصے از قوم برہمن یارا چپوت را بصلاح میر غلام علی، پسر حامد علی باین ارادہ آمادہ نمودہ بود کہ اگر معتمد الدولہ را بکشند چندین ہزار روپیہ بجلد دے آں بکشند و ہندو دے مذکور دست آویز زندہ مذکور گرفتہ بازو دے خود بست و شتر وقت نشست۔ برویکہ شادی کدائی (کہ خدائی) پسر حکیم واجد علی خاں بجان معتمد الدولہ قرار یافتہ۔ سلاح بستہ بہنگامہ خلایق شریک شدہ بخانہ شادی آمد و قصد قتل معتمد الدولہ نمود۔۔ ناسخ اذین ارادہ آگاہ شد، معتمد الدولہ را خبردار کرد، مشائرا الیہ قبل از وقوع واقعہ آن کافر را بقتل آورد۔۔ دست آویزیکہ بر بازو دے او بستہ بود بحضور پیش بردہ گواہاں بردگذازند و ادب کتاب این عمل میرزا حاجی ثابت نمود از شہرا خراج گردانید و فقیر محمد خاں از تربہ آں مقتول کہ زخمے بدست رسید مجروح گردیدہ بقلب بہادری ممتاز شد و میر غلام علی کہ بانی این امر بود چند سال بقید ماندہ جان بحق تسلیم نمود۔۔ ہر چند معتمد الدولہ دغدغہ رہائی و سلوک بے پایاں نمود کہ اقرار گناہ میرزا حاجی رو برو دے رئیس نماید، مشائرا الیہ جان داد و لب بہ اظہار نکشتاد (ورق ۱۰۵) معتمد الدولہ نے مرزا حاجی کے مکانات محسن الدولہ (نواسہ غازی الدین حیدر) کو دیدیے کہ واپس نہ مل سکیں۔ مرزا کا پورا چلے گئے اور منتظم الدولہ نے ان کا دوسوا ہوا مقرر کر دیا۔ نصیر الدین حیدر نے منتظم الدولہ کو لکھنؤ بلوایا تو یہ بھی ساتھ گئے، مگر جب ان کی صورت قیام اعتماد الدولہ کی وجہ سے نہیں ہوئی تو مرزا ان سے الگ ہو کر اعتماد الدولہ کے متوسلین میں داخل ہو گئے، وہی مشاہرہ قرار پایا جو منتظم الدولہ دیا کرتے تھے، اور املاک پوری بھی جو فرنگی محل میں تھی واپس ملی لیکن املاک ذاتی جو

## تذکرہ شعرا

محسن الدولہ کے قبضے میں تھی نہ مل سکی۔ روشن الدولہ کے زمانہ وزارت میں انہیں امید ہوئی کہ کوئی صورت فلاح کی نکلے گی۔ اس لیے کہ ان سے قربت ہے، لیکن انہوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا اور مرزا اور ان کے بیٹے علی حسن کو لکھنؤ سے نکال دیا، یہ دونوں کانپور چلے گئے، مگر دو ہزار سالانہ مقرر کر دیا اور ان کے بڑے بیٹے مرزا محمد اور مرزا مبارک علی کو اخراج کے دوسرے ہی دن "خلعت دو شالہ و دو مال دیا" کانپور کے نواب محمد سعید خاں مرزا کے زمین منت تھے، وہاں گئے بہت احترام سے پیش آئے، لیکن، نوکری نہ دی، (ص ۷۷) "لیکن.. نوکر رکھا" یہ غلط معلوم ہوتا ہے مرزا علی حسن کو البتہ ملازمت ملی۔ واجد علی شاہ کے عہد میں جب علی نقی خاں وزیر ہوئے تو مرزا کی ان سے بھی رشتہ داری تھی، انہیں لکھنؤ میں رہنے کی اجازت ملی گئی اور یہ بتاریخ ۸ رمضان ۱۲۴۵ھ = فروری ۱۸۴۹ء لکھنؤ آئے۔ سو ابحاث جلد ۲ سال وفات ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۳ء لکھا ہے (ص ۷۷)۔ حاشیہ خاتمہ دستور الفصاحت میں بحوالہ گل رعنا ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء ص ۱۲۱۔ میرے نزدیک ۱۸۵۸ء نہیں ۱۸۵۳ء صحیح ہے، گو اس وقت میں اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں دے سکتا۔ ۱۲۷۸ شلیفٹ نے نہ جانے کس طرح قمر کو خلف مرزا نقی ہوس لکھ دیا ہے ۱۲۶۹ قمر فارسی گو بھی تھے (روز روشن) ۱۵۰ دیوان اردو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۳۳ ۱۵۱ "رنگیں.. در ۱۲۶۳ مطلب نواب ذوالفقار بہادر در شہر باندہ وارد گشت" (روز روشن)۔ وفات نواب ۱۲۶۳ھ (دیوان ۲ عین)

۳۴ ۱۵۲ مرزا محمد نقی، ہوس مرزا علی خاں کے بیٹے تھے۔ مؤخر الذکر اور سالار جنگ ہو سگیم ہا در آصف الدولہ کے حقیقی بھائی تھے۔ نسخہ کا مرزا علی خاں کو

## تذکرہ شعرا

سالار جنگ کا بیٹا لکھنا غلط محض ہے۔ مصحفی نے ہوس کا حال غالباً ۱۲۲۱ھ میں لکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ اس وقت عمر ۴۰ سے متجاوز تھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ادائلی میں میر حسن سے تلمذ نما، بعد کو میرے شاگرد ہوئے (ریاض الفضا)۔ ان کے دیوان کا ایک نسخہ محمد حسین صاحب (استاد اردو گیا کالج) کے پاس ہے اور اس میں ”اس محلے الخ“ موجود نہیں؛ یہ شعر جرات کا ہے اور کلیات میں ملتا ہے۔ دیوان ہوس کا ایک ضخیم تر نسخہ کتب خانہ رضائیہ رامپور میں ہے۔ انتخاب دیوان حسرت موہانی نے شائع کیا ہے۔ ان کی مثنوی سیلی مجنوں مدت ہوئی طبع ہوئی تھی۔

۱۵۳۱ یا ۱۵۳۲ کے دیوان مطبوعہ کاخانہ ان کے داماد (شمس العلماء) محمد سعید، ۳۵ حسرت عظیم آبادی نے لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت ۱۲۰۲ھ میں اور وفات ۱۲۶۳ھ میں ہوئی (شب سہ شنبہ ذیقعدہ)۔ خانے میں ہے کہ مفتی آ رہ تھے ۱۵۴۲ء دونوں شعر دیوان میں ہیں، لیکن شعر ۲ کا مصرع ادیوان میں یوں ہے: ”چشم تریب خشک اور چہرہ اداس“ ۱۵۵ء دیوان یاس مطبوعہ ۱۲۶۲ھ سے تلمذ نسخ ثابت ۱۵۶ء مطبوعہ ۱۲۶۲ھ دیوان میں فارسی نظم و نثر اور اردو اشعار موجود ہیں۔ یاس کا ایک اردو خط معاصر حصہ ۲ میں شائع ہوا ہے۔ اور پھلوری میں فارسی خطوط کا قلمی مجموعہ کسی شخص کے پاس ہے۔ ۱۵۷ء اشعار ذیل دیوان سے ماخوذ ہیں:

یہ زیبا ہے کہ تو جب راہ چلتا جلو میں تیرے مہر و ماہ چلتا  
 طریق وصل اگر ہوتا دم تیغ۔ میں تو بھی سر کے بھل والہ چلتا  
 نہیں کوئی طریق پر خطر میں کسی کو بے لیے ہمراہ چلتا  
 دے راہ عدم کیلے خطر ہے۔ کہ ہے اکلا گدا و شاہ چلتا  
 دریائے اشک یاس ہوا چشم سے رواں آیا جو ذکر را سخ غفران ماب کا  
 جلوہ گر بھی نہ تھا وہ آئینہ رخسار منو۔ تب سے ہوں تیرتی جلوہ دیدار منو ز

قید سے عشق کے واقف نہ تھا کوئی ہرگز  
 یاس ان زلفوں کا تپ ہے گرفتار ہنوز  
 مرجاؤں پہ چینے کی تمانہ کروں میں  
 منت کشی خضر و مسجانہ کروں میں  
 وضع جہاں سے نفرت دل کا معاملہ  
 یان تک کھچا کہ آپ سے بھی اب کشیدہ ہوں  
 ہر داغ تازہ کتنا ہے مجھ کو مجھے نہ داغ  
 بہتان عشق کا میں گل نہ دو میدہ ہوں  
 نہیں ہے عرش سے نافرین کچھ سوا سخن  
 یہ سمجھے بات جو کوئی ہو آشنائے سخن  
 سخن بچا ہے کہ اس میں نہیں جلائے سخن  
 کہ جان جائے ولما تھسرت نہ جائے سخن  
 کیونکر کہیں میرے تئیں رونا کریں گے  
 گر دیدہ و دل یہ میں تو کیا کیا نہ کریں گے  
 یاس دیکھو سبز بھر دشت چمن سار کوئی  
 زندگی دو دن ہے کیا ٹھہری ہو جی مارے کوئی  
 مرغان چمن جملہ ثنا خوان ہیں گل کے  
 پر یہ نہیں معلوم کہ صحرکان ہیں گل کے

کہے ہے اے یاس مجھ سے ساقی ابھی نہ ہو مسنت بہراری

کہ دفتر رزق و خلوت خم سے تا سلو بھی نہیں گئی سے

جاں کرے بھی کہیں طلب کوئی جی سے حاضر ہیں یاں تو سب کوئی

راستی فوارہ ساں اس میری آب و گل میں ہے

ہے وہی جاری زباں پر جو کچھ اپنے دل میں ہے

یہ پیش آیا مجنوں کو اس دل کی بچھے کہ گوسوں گیا روتا محل کے پیچھے

کل جو اک مریبہ درد سنایا ہم نے دیر تک حضرت مجنوں کو رلایا ہم نے

ہمگی درد تھے اے یاس ولے آہ نہ کی یاں تلک درد محبت تو چھپایا ہم نے

۱۵۸ صبح گلشن میں ایک فارسی گو شاعر قاضی لطف علیجاں، ناطق "ارمیتازان"

۳۶

شہر بنارس "کا ذکر ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہی ناطق ہیں جن کا حال تذکرے

میں ہے یا کوئی اور — سید پور ضلع غازی پور میں ہے۔

۱۵۹ سخن شعرا میں ہے: "ہادی تخلص سید محمد مہدی قزلباش شاہ نور علی مرحوم"

۳۷

ملتی نہیں تشبیہ تری زلف کی جاناں ہے عین خطا کہیے جو مشکِ خفتی ہے

۳۸

۱۶۰ رضا کا حال کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا

۱۶۱ شہید کا ذکر ن میں غلطی سے رشک کے بعد بھی ہے، اس جگہ یہ عبارت ہے: ”مولوی محمد بخش، شہید شملن از قلمذہ معزز شیخ ناسخ است، خیل و فتح پسندیدہ دارد“ اس کے بعد وہی شعر جو دوسری جگہ ہے: ”صبح الخ“۔ ۱۶۲ تذکرہ ناصر میں دو جگہ شہید کا حال لکھا ہے ایک جگہ حوض میں، دوسری جگہ چند صفحوں کے بعد حاشیہ میں، دونوں یکے بعد دیگرے درج ذیل کیے جاتے ہیں:

(۱) ”مرد صالح اور سعید مولوی محمد بخش.. شہید رئیس پر گنہ سندیہ لکھنؤ

شاگرد.. ناسخ“ (۲) مولوی صاحب مذکور.. لکھنؤ میں کہ غریب الوطن تھے، امامباڑہ

لاڈو خانم صاحبہ واقعہ نحاس میں ہمراہ مکرم علیخان رہتے تھے۔ بعد انتقال.. ناسخ..

برقی کے یہاں آنے جانے لگے بلکہ ان کے مصاحب خاص کیا ہمزاد ہو گئے اور بالکل

(۱) کی صورت اور وضع اپنے میں بنائی اور.. ہریات میں ان کی تقلید کرنے لگے

جب.. برقی کا ترقی اقبال (کذا) ہوا اور.. فتح الدولہ بخشی الملک ہوئے.. مولوی

صاحب.. پر رحم کھا کر بیس روپے کا در ماہانہ بخشگیری سے بلا شرط خدمت کروا دیا۔

مولوی صاحب نے یوں اوقات بسر کی کہ صبح کو فتح الدولہ بہادر کے مکان پر جانا

اور تادو پہر حاضر رہنا بعد اس کے.. امامباڑے میں آنا اور ہمراہ مکرم علیخان کے

اکل و خرب کرنا اور مکرم علیخان بھی تمام خانہ داری مولوی صاحب کی مثل اہل خانہ

مدام سرانجام کار کرتے رہے اور معمول تھا مولوی صاحب کا کہ ہر جمعے کو بوقت سہ پہر

امام باڑہ مذکور میں شاگردوں مرزا صاحب، اندھیلے شاگردوں کو جمع کرتے تھے

اور آٹھویں دن بروز جمعہ ایک چھوٹا سا مشاعرہ کیا کرتے تھے.. بعد برہمی سلطنت

اور وہ بختیگری و حکومت سب خاک سیاہ ہو گئی اور حضرت واجد علی شاہ  
 مع مصاحبین خاص مثلاً انجم الدولہ و مسیح الدولہ۔۔ برقی ہمراہ رکاب۔۔ برائے  
 استغاثہ روانہ۔۔ کلکتہ ہوئے اور یہ جلسہ بھی درہم برہم ہوا بموجب شعرا  
 نہ شکری نہ سپاہی نہ کثرت النامی نہ انجی نہ مسیحی نہ برقی خناسی  
 اس کے بعد۔۔ شہید۔۔ دلیر الدولہ میرزا اجیدر۔۔ کے پاس حاضر ہونے لگے۔  
 دلیر الدولہ نے۔۔ کچھ مولوی صاحب کے واسطے مقرر فرمایا، چند ایام کے بعد غدر  
 ہو گیا اور مولوی صاحب اس غدر میں بہت خراب و برباد ہوئے بعد خرابی بصرہ  
 جب دوبارہ عملداری سرکار انگریزی ہوئی بعد چندے۔۔ منشی رام دیال اکسٹرا  
 اسسٹنٹ واسطے تحصیل انکم ٹیکس کے لکھنؤ میں مقرر ہوئے اس ظالم نے دائرہ  
 عاشق علی خاں کو واسطے تحصیل زر ٹیکس محلہ کٹرہ البو تراب خاں میں مقرر کیا داروغہ  
 مذکور نے صاحبان کٹرہ کو۔۔ تنگ کیا، چنانچہ مولوی صاحب اور مکرم علی خاں کو  
 بھی طلب کیا اور ٹیکس مانگا مولوی صاحب نے کہا کہ میرے پاس بجز جان یک حبہ  
 نہیں ہے، راقم حاشیہ تذکرہ لہذا اس وقت وہاں۔۔ موجود تھا۔ داروغہ نے۔۔  
 کہا کہ وہ دولت بختیگری کی اور گمانی سرکار مرزا اجیدر۔۔ کی کیا ہوئی۔۔ مولوی صاحب  
 نے یہ شعر پڑھا۔۔

قرار دے کف آوارگان نگیر و مال نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غریب  
 داروغہ نے خفا ہو کر۔۔ کہا کہ آپ یوں زر ٹیکس نہ دیکھئے گا۔۔ سپاہی کو بلانے  
 حکم دیا کہ مولوی صاحب و مکرم علی خاں کو بیچے کرے میں لے جا کر قید کرو، بوقت  
 قید ہونے کے۔۔ یہ شعر پڑھا:

جب کہ ہم اے شہید پیر ہوئے دست اعدا میں تباہ ہوئے  
 بعد اس کے مکرم علی خاں (کی) طرف دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔۔

## تذکرہ شعرا

تم ہوئے ہم ہوئے کہ میر ہوئے سب کے پھندے میں سب میر ہوئے  
 راقم .. نے .. یہ دیکھ کر فوراً محمد مرزا خان صاحب کو .. خبر دی .. خان مذکور نے  
 اپنا رقعہ ضمانت کا لکھ کر مولوی صاحب کو طلب کیا:۔ کہا میں بخیر رانی مکرم علیخان  
 کے اس مجلس سے نہ جاؤں گا۔ الغرض مولوی صاحب کو بھی مکرم علیخان سے وہ  
 حال تھا کہ جو .. ناسخ .. کا مرزائی صاحب سے .. تھا۔ العاقل تکفہ الاشارہ:  
 میکدے میں گوسرا سرفعل نامتقول ہے مدرسہ دیکھانوں بھی فاعل و مفعول ہے  
 بعد اس کے محمد مرزا خان صاحب نے دوبارہ .. دونوں .. کی ضمانت کر کے  
 دار وند عاشق علیخان کے یہاں سے اپنے پاس بلا لیا جب .. خان صاحب کے پاس  
 گئے تو یہ شعر پڑھا:

جب اے شہید ہو گئے ہم اس طرح کے پیر عاشق علی کے گھر میں ہوئے آ کے تب اسیر  
 اسی کو فت سے مولوی صاحب نے بعد چندے کے انتقال فرمایا .. مکرم علیخان  
 نے مولوی صاحب کا سوگ رکھا اور ایام غدی (عدت) کے پورے کیے اور  
 ان کے مال اسباب اور دیوان غزلیا وغیرہ بلکہ جتنے ان کے کواغذات مسودات  
 تھے، ان سب پر بحسب وصیت ان کے قابض و متصرف ہوئے۔ اب مکرم علی خان  
 .. بعارضہ بوا سیر خونی و بادی بشدت علیل رہتے ہیں .. کوئی ماہ ایسا نہیں جس میں  
 .. دس پندرہ روز علیل نہ رہتے ہوں اور پانچ چار فاقہ نہ کرتے ہوں .. اور  
 یہ مہر ع .. بار بار پڑھتے ہیں اور مولوی صاحب کو یاد کرتے اور روتے ہیں .  
 ”مرا عیسیٰ آپ ہی مر گیا تجھے کس طرح سے شفا ملے“

۱۶۳ شہید کے ہوا شعار تذکرہ نام میں ہیں، ان میں سے کچھ درج کیے جاتے

ہیں، ان میں وہ مطلع بھی (بہ تبدیل الفاظ) ہے جو ن میں ہے:  
 مستانہ یار اگر شجر تاک تک گیا ہر خوشہ گری رہے روشن سو یک گیا

کانٹوں پر یاں سونا ہے واں پھولوں پر آسائش ہے  
 مرنا کھینا ہم کو ہے واں زینت ہے آسائش ہے  
 آٹھ پہر فرصت نہیں تم کو زینت ہے زیبائش ہے  
 شانہ ہے مشاطہ ہے آئینہ ہے آرائش ہے  
 فصدوں پر ہوتی ہیں فصدیں سودا بڑھتا جاتا ہے  
 بوشش و حشت گھٹی نہیں ہتھوں کی کیا افزائش ہے  
 طیش نہ اٹھے دل میں کیونکر اشکوں میں سرخی بھی ہے  
 کچا پھوڑا پھوٹا ہے رنگیں اس سے آرائش ہے  
 گل پر گل کھائے فرقت میں پھول کھلے میں سرتا پا  
 نخل چین الفت نے بنایا داغواں سے آرائش ہے  
 بڑھنا گھٹنا قسمت سے ہے بن گئے وہ ہم بدر وہاں  
 اپنی جاں کی یاں کاشش ہے حسن کی واں افزائش ہے  
 ٹکڑے گریباں پر نے داماں اشک فشاں فریاد کنا  
 صحر او اس طرح سے چلیے وحشت کی فرمائش ہے  
 یاں دھماکا سا صلہ محول سے فرقت کے جسم نزار ہوا  
 واں ڈورا لے لیکر ہر دم بانو کی پیمائش ہے  
 بحر صنم میں نیند آنے کی اور نہیں تدبیر شہید  
 کچھ لحد میں سوئے چل کر محشر تک آسائش ہے

۱۶۴ سوزش کا حال کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا۔ کبھو، کبھی کی جگہ  
 غالباً کاتب کی غلطی۔

## ملحقات حواشی

۸۔ مطبع گیری نے ۱۹۷۷ء میں درد کی درد دل اور شمع محفل بھی یکجا شائع کی تھی۔ ۹۔ گلزار ابرارہیم میں ایک رباعی (ردیف کے سبب) درد و الم دونوں کے نام ہیں۔

۱۰۔ شعر امانت نہیں نظیر ہے۔ امانت محض سہو قلم ہے ۱۳ مصرع ۲: کلیات "چرخ ہیں" ۱۷ ن "زاد و بوم" "نوزدہ سالگی" تحقیق طلب ۳۹ ن "جسا" ۲۶ ن "آپ آرام کرتے ہیں" میں "آپ" کھٹکتا ہے شعر کلیات میں نہیں حقیقت نے یہ شعر بھی دیا ہے: "لذت دل سمجھو نہ میرے آنسوؤں کے تار میں۔ پٹریاں یا قوت کی ہیں موتیوں کے ہار میں" ۵۵۔

ذناسی کی کتاب سے قبل ذوق کا دیوان طبع ہو چکا تھا، مگر وہ دیوان مطبعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ ظاہر وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ بو تر و کے پاس قلمی نسخہ تھا۔ دیوان وغیرہ کے مرتب کیے ہوئے دیوان کے بہت بعد آزاد کا مرتبہ دیوان چھپا ہے۔ اس میں بقول شیرانی خود آزاد کا کلام بھی ہے جناب شاہ عطار الرحمن صاحب عطا نے اطلاع دی ہے کہ دیوان مرتبہ ویران وغیرہ کی اشاعت سے کچھ ہی قبل زگارستان سخن طبع ہوا تھا جس میں انتخاب دیوان ذوق شامل ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس طور سے منتخب کیے تھے مہربانی کے "انتخاب داوین شعرائے مشہور زبان اردو" میں بھی انتخاب دیوان ذوق موجود ہے ۵۹ شعر نسخہ پر ردیف "کو" بھی آیات میں ہے صفحہ ۳۶۔ ۶۲ شعر ۳۸ کلیات "شرکیں" ۶۳ الف شعر ۵۲ "نہ دیکھیں" مطابق کلیات 'ن میں "نہ دیکھا" ۶۲ ن موسا ۶۷ "بوکہ طائر" مذکرہ ناصر میں ۳۷ لالہ فتح چند شائق کے ترجمے میں ناصر نے نہیں عیسیٰ دنا سخ کا شاگردا دنا پنا دوا ست لکھا ہے۔ ۷۹ تاریخ محققم میں مرزا گنج "مسکن" ۸۰ تاریخ محققم میں گویا کو "دوست و برپا ساختہ مستحکم الدولہ" لکھا ہے۔ ۸۱ دیوان گویا میں نصیر الدین خیدر کی مدح میں جو قصیدے ہیں، ان میں سے ایک میں یہ اشعار ہیں:

وہ کس طرح نہ بھلا شاعروں میں ہو مینا ز کہ جس کے شعر میں اصلاح شاہ دوران کے  
 ہر ایک شعر میں ایسا ہے سدا گہر کہ کلک شہ دم اصلاح گہرا نشاں ہے صلہ  
 نصیر الدین حیدر کے فارسی اور اردو شعرا ملتے ہیں، لیکن یہ کہیں نہیں دیکھا کہ وہ شعرا  
 کے کلام پر اصلاح دیتے ہوں ۸۴۷ "دیوان اور دیباچہ" میں "دیوان اور" کا لہجہ سمجھا  
 جائے۔ الف تازیخ مختصم میں ہے کہ سنہ ۴ جلوس نصیر الدین حیدر میں  
 منتظم الدولہ وزیر گویا سے ناراض ہو گئے۔ ایک وجہ تو یہ ہوئی کہ انھوں نے وزیر کے  
 روبرو تاج الدین حسین خاں کے حق میں "کلمات درشت" کہے تھے، دوسری یہ کہ چری آدمی  
 تھے، ان کے سامنے ظلم ہوتا تو مظلوم کی پاسداری کرنے سے دران نوج کو حکم دیا گیا تھا کہ  
 وہ بار میں ہتھیار باندھ کر نہ آیا کریں۔ گویا نے کہا کہ میں اس پر خانہ نشینی کو ترجیح دیتا  
 ہوں۔ انھیں ہتھیار لگا کر آنے کی اجازت تو دی گئی، مگر ان کے دشمنوں نے (یہ صراحت  
 نہیں کہ یہ کون تھے) بادشاہ سے کہا کہ یہ نافرمانی انگیزوں کے بل پر ہے۔ ان کے یہاں  
 شنب کو مہج ہو کر نا ہے اور "خجارت شہر بلکہ تمام حالات شبانہ روزی مالک ملک کے متعلق  
 گفتگو ہوتی ہے، گویا کو بچہ معلوم ہوتا ہے اسے لکھ کر "انگریز" کو بھیجا دیتے ہیں۔ حکم ہوا کہ  
 گویا سے کہا جائے کہ اس قسم کے مہج سے احتراز کریں، وزیر نے حکم سنا یا تو قبول کرنے میں  
 تامل ہوا، بادشاہ کا شفقہ بدستخط خاص آیا کہ فوراً شہر سے باہر چلے جائیں۔ تعمیل حکم کرنی ہی  
 پڑی۔ سنہ ۵ جلوس میں منتظم الدولہ معزول ہوئے تو گویا مرزا گنج سے پلوائے اور  
 عہدہ سابق پر مامور کیے گئے۔ اسی کتاب میں ہے کہ نصیر الدین حیدر کی وفات سے کچھ  
 قبل بھی گویا کا اخراج عمل میں آیا۔ یہ اس طرح کہ دھنیا مہری (مخاطب بہ فضل النساء  
 خانم) نے گویا سے اپنے اماں باڑے کے باورچی خانے کے لیے تھوڑی زمین مانگی، یہ پٹال گئے۔  
 اس نے بادشاہ سے شکایت کی کہ انکار تعصب مذہب کی بنا پر ہے۔ بادشاہ نے بکھر  
 زمین دلوا دی۔ لیکن جب مہری پر عتاب نازل ہوا تو گویا نے اس کے یہ کہنے کہ باوجود کہ

دی ہوئی تھی واپس لینا آپ کے شنایان شان نہیں، اپنی زمین پر قبضہ کر لیا۔ مہری کی خطا محاف ہوئی تو اس نے شکایت کی، بادشاہ نے غصے ہو کر مع رسالہ برطرف کیے جانے کا حکم دیا۔ خفگی کا تو یہ سبب یہ تھا کہ بادشاہ نے کسی خوب رو عورت کے حاضر کرنے کو کہا تھا، وہ گویا سے "علاقہ" رکھتی تھی، اس نے اپنی "سرگزشت" ان سے بیان کی، گویا کہ یہاں یہ گفتگو ہوئی کہ ابسا ظلم ہوتا رہا تو اس کا انجام کشت و خون ہے۔ بادشاہ کو کسی نے بہ خبر پہنچا دی تھی۔ روشن الدولہ اس زمانے میں وزیر تھے۔ وہ ان سے رعایت کرنی چاہتے تھے، اور مہری بھی راضی کر لی گئی تھی، لیکن بادشاہ کو کہہ ہو گئی تھی، لکھنؤ چھوڑ کر مرزا گنج جانا ہی پڑا۔ سوانحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد محمد علی شاہ میں منتظم الدولہ کی وفات کے وقت گویا لکھنؤ میں موجود تھے "فقیر محمد خاں" نے مرغ کے چوزے پروردہ بھیجے تھے اکثر نوش کرتے تھے۔ وہ سب بھی نوش کیے، حرارت خفیف معلوم ہوئی۔ بعد ہفتے عشرے کے۔ آخر۔ رمضان ۱۲۵۳ھ۔ انتقال کیا ۳۴۲ھ۔

۸۵۔ ریوان میں بھی فارسی اشعار مگر صبح گلشن کا شعر نہیں۔ ۹۵۔ آغا علی کی ماں بزرگ محل "فرقہ خاص" سے تھیں۔ سوانحات ۲ ص ۹۱ ملازمت آغا علی خاں سے متعلق رشک کا شعر محاصرہ حصہ ۲ ص ۹۵ میں ہے۔ ۹۶۔ الف محبوبن کسی سے روشن الدولہ کی ایک بیٹی تھی "جس کی شادی ڈیٹی کلب حسین خاں سے ہوئی۔ اتفاقاً وہ مرگئی۔ بے اولاد ہی۔۔

ڈیٹی صاحب دوپرس کی رخصت لے کر سیر لندن بھی کر آئے، ۶ ہزار سرکار سے زادادہ بھی پایا" (سوانحات ۲ ص ۹۶) غالباً کلب حسین خاں، نادر۔ تالان میں بقیاب ہنیا بسات۔ ۱۰۱ الف اسعد الاخبار ۱۲۶۵ھ میں نادر کی ۲ مطبوعہ کتابوں کا اشتہار ہے:

خلاصہ قانون مال و کلکٹری (طبع ۲)، توصیف زراعت اسعد الاخبار ۱۲۶۵ھ، فضائل اشہد

۱۳۱۔ فضل علی خاں نصیر الدین حیدر کے انا لیں بھی رہے تھے (نارتخ محتشم)۔ نصیر الدین حیدر کی ان سے ناراضی کی وجہ نارتخ محتشم میں یہ لکھی ہے کہ انھوں نے زیدٹ سے یہ

تحریک کی تھی کہ بادشاہ جب تک چالیس برس کے نہ ہو جائیں، اصل اختیارات سلیم صاحب کے ہاتھ میں رہیں، یہ بات بادشاہ کو معلوم ہو گئی تھی؛ مگر ان کی خانہ نشینی کے بعد کوئی دوسرا شخص وزیر مقرر نہیں ہوا، ان کی وفات کے بعد نئے وزیر کا تقرر ہوا۔ انھوں نے زمانہ داروغگی میں کئی لاکھ کی عمارتیں بنوائی تھیں، اخراج کے بعد معتمد الدولہ نے عمارات بہ استثنائے مسجد مسمار کر دیے اور ۶ لاکھ روپے کا نقد جسٹس جو گھر میں تھا لٹ گیا۔ سوانحات ۲۵۲۔ معتمد الدولہ نے یہ غالت شدہ رقم واپس کرنی چاہی تھی مگر انھوں نے منظور نہ کیا ص ۳۰۴۔ وزارت کی مدت قلیل میں انھیں "باوجود بے دخلی اور معطلی کے دشمنوں کے ہاتھ سے کرور روپے کا محاصل ہوا" ان کا ترکہ تین بیٹوں پر تقسیم ہوا ص ۳۰۶۔ دہلی کالج سے ان کے تعلق کا ذکر دلی کالج اردو میگزین کے قدیم دلی کالج نمبر ص ۱۱۳ میں ہے۔ عمہ فضل علی خاں بھی ادا اہل عبد نصیر الدین حیدر میں خفیہ طور پر لکھنا آگئی تھیں اور معتمد الدولہ انھیں نکلوانہ سکے تھے۔ ذیحجہ ۱۲۵۲ میں روشن الدولہ نے انھیں بچیلہ بادشاہ کے یہاں بلوایا اور محبوس کر دیا، لیکن یہ کچھ ایسی بیمار ہو گئیں کہ یہ ڈرہوا حرنہ جائیں۔ بدنامی کے خوف سے رہا کر دیا (تاریخ مختصر)۔ ۱۳۲۲ میں "دیو ایلوں کی" "نے" مکتوبات شاد میں ہے۔ ۱۶۳۳ ذکر فارسی گو و حقا راجہ بنارس (روز روشن) ۱۴۰۰ قائد تخلص اور شاعروں کا بھی تھا ۱۴۱۱ کیلنڈر میں ایک جگہ محمدہ Laah ص ۴۳۸، دوسری جگہ قاضی لال محمد ص ۴۹۳۔ ۱۴۲۲ یا علی۔ است "حاشیے میں اور صریحاً بعد کا اضافہ۔ ۱۴۷۷ "اس شعر ہندوستان" کے قبل کوئی لفظ نقابوں سے غائب۔ ۱۶۲۲ ناصر نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہید محمد ابن ابی بکر کی اولاد سے تھے۔

## ملحقات ۲

۵۔ نسخہ محمدی کا سال طبع ۱۲۷۱ھ (حاشیہ دستور الفاضلہ ص ۳۸)

۳۱ کلیات انشا طبع اول میں "ہر ایک نارا، جم گیا" "ہر اک ستارا جم گیا" غلط لکھا گیا۔ انشا کا شعر ۵ کلیات میں نہیں۔

۳۲ سال ذوات منظر ۱۲۷۱ھ (معاہرا ص ۱۵۹)

۵۰ دیوان یاس کی ایک غزل کا مقطع ہے: بعد از نصیر کو ششش فکر ملنے سے =

مجھ کو بھی یاس آئے میسر طلال چار" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیر کی غزل بھی اس زمین میں ہوگی۔ تذکرہ ہذا کا شعر اسی غزل کا ہی ہوتا ہے تو تعجب نہیں۔

۵۵ تذکرہ ذوق کا وجود مشتبہ ہے، ذناسی کے سوا کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا،

اور وہ بھی نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اسے دیکھا ہے اور نہ اس نے اس کے حوالے سے کہیں کوئی بات لکھی ہے۔ بو تو ز دہلی کا لچ کا پرنسپل تھا اور ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن فرانس واپس چلا گیا تھا۔ تعجب ہے کہ ذناسی نے اس تذکرے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

۶۶ نسخہ مولائی سے قدیم تر اور کیا بتر مطبع محمدی لکھنؤ کا نسخہ مطبوعہ ۱۲۵۸ھ

یہ جس کا حال جناب سید سجاد حسن رضوی نے "آب حیات کا تنقیدی مطالعہ" میں (اور غالباً شاعر والے مقالے میں بھی) لکھا ہے۔ ممکن ہے دیوان سوم کا کوئی قلمی نسخہ ایسا بھی ہو جو اردو ادب سے الگ ہو الہ آباد سے ناسخ کی جو ایک مثنوی شائع ہوئی تھی، اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ دیوان سوم طبع ہوگا، گو اس کی نوبت اب تک نہیں آئی۔

۷۵ آب حیات ص ۳۷۳ میں ہے کہ وزیر پورچے آتش کے شاعر تھے۔ اس کا کوئی

ثبوت موجود نہیں۔

۷۹۔ ہندوستانی الہ آباد ( جنوری و اپریل ۱۹۴۷ء ) میں ایک مقالہ ”مخزن آلام اور احمد کی شاعری“ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ احمد گویا کے بیٹے اور بوش طبع آبادی کے دادا تھے۔ اس میں گولہارا اور مرزا گنج کا کہیں ذکر نہیں۔ ۸۰۔ ہندوستانی میں لکھا ہے کہ گویا کا عروج عہد نصیر الدین حیدر تک رہا یہ اودھ کے ساڑھے تین لاکھ سپاہیوں کے سالار تھے اور ”خود چودہ سو پیادے اپنی ذات خاص میں رکھتے تھے“ نہ گویا کے سپہ سالار ہونے کا ثبوت موجود ہے اور نہ عہد غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر میں اتنی بڑی فوج اودھ میں تھی۔ ۸۲۔ دتاسی ۱۷۵۹ء میں ہے کہ گویا کا دیوان راجہ سے ۱۷۵۹ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ زیادہ قریب قیاس نہیں۔ ۸۵۔ ہندوستانی میں مرقوم ہے کہ گویا پشتو مادری زبان کی طرح بولنے لگتے تھے اور ایک ہدایت فخر معروف کتاب نامہ مظفری کے حوالے سے لکھا ہے کہ عربی بھی ایسی صاف بولنے لگتے تھے کہ ”گویا مادری زبان“ اور ان کے ترک بولنے پر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔

۹۲۔ جناب عالیہ سے بہ بیگم مادر آصف الدولہ مراد، وفات ۲۵ محرم ۱۲۳۱ھ سوانحات ۲۳۳۔ ۹۷۔ آب بقا ۲۶ میں ہے کہ رشک کا ایک ہی لڑکا تھا اور ایک لڑکی پوتا، پہلے لڑکا اور اس کے بعد پوتا مرا، اس کا صدمہ اس قدر ہوا کہ کربلا چلے گئے۔ رشک کے بیٹے علی ضامن، شوق ان کے کربلا جانے کے بہت بعد تک زندہ تھے۔ جیسا کہ دیوان منیر سے ثابت ہے۔ ۹۸۔ آب بقا میں کربلا جانے کا زمانہ ابتداء ۱۲۲۷ھ لکھا ہے یہ صحیحاً چھاپنے کی غلطی ہے۔ جلال کے ایک دیوان میں جو اس وقت پیش نظر نہیں۔ رشک کے کربلا جانے کی تاریخ درج ہے۔

۱۰۱۔ محسن نے کہیں شوکت نادری نام لکھا ہے ص ۱۶۶ اور کہیں صولت نادری مکہ (اور غلط نامے میں جو طبع اول میں ہے اس کی تصحیح نہیں ہوئی) دتاسی میں ص ۱ صولت نادری ہے۔ رامپور کا نسخہ میری نظر سے گزرا ہے مگر اس کے متعلق جو یادداشت

میں نے قلبند کی تھی وہ کم ہو گئی ہے، اس لیے میں یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ خود مصنف نے اس باب میں کیا کہا ہے۔ محسن نے ان کی منقوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ۱۰۳ "لوگ .. ڈپٹی کلکٹر ہو گیا" کے متعلق اودھ اخبار ۱۵ اپریل ۱۸۷۶ء ص ۵۱ میں ہے کہ یہ شہر پہلے اودھ اخبار میں چھپا تھا، پانیر میں "شاید" اسی سے نقل ہوا۔ پانیر نے لارڈ لٹن کی شاعری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "ایک مسلمان شاعر جو ممالک مغربی و شمالی میں مشہور ہے اس کا ترانہ ہے کہ: "لوگ .. ہو گیا"۔ یہ شاعر بڑا ہی زود فہم ہو گا۔ کچھری جانے وقت یہ شعر کہتا ہو گا۔ اس کو ضرور ہی خیال آتا ہو گا کہ قرقی بیجا کون ہوئی اور داخل خارج کس موضع کا ہونا چاہیے"

۱۲۲ اب تیریں ہوں الخ میں "اور" کی بربری طرح وزن سے باہر چلے کو آپ کو الخ "میں" کو "کوئی" کی جگہ "کوئی" ہونا چاہیے۔ ۱۲۳ خاں نے بیاب کے شعر ذیل کی تفسیر کی ہے: قتل گر کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں؛ ہاں میاں نشنہ آب دم تر وار ہوں میں۔ ۱۲۵ شوکت نادری نسخہ کتب خانہ رضائیہ میں ہے: "خاں، یسین خاں اذرؤ مسے این شہر در علوم عربیہ تحصیلش بکمال رسیدہ، گاہنگاہ میلان خاطرش بشعر می گردن لیکن از کثرت کار ہائے متعلقہ کہ خدمت داروغگی پر مرٹ بہ او مضمون است کمتر بہ این طرف متوجہ می گردن، لیکن در حقیقت نبض شناس سخن است و واقف دقائق این فن" (شوکت نادری اور ملائح الشمر کے اقتباسات شاہ مقبول احمد صاحب مملکت نے جناب عرشی سے منگوائے ہیں۔ ان کے استعمال کے لیے ہیں ان دونوں کا شکر بہ ادا کرتا ہوں۔)

۱۲۷ شوکت نادری: "منظوم .. غلام حسن طغیب بہ .. منظور شاہ، اصل طبع منقول .. پنجاب .. مدتے تمتد در لکھنؤ بخدمت .. مصحفی بودہ و در تلمذ ایشان گویے سبقت ربودہ، از عزمہ پانزدہ سال درین شہر رسیدہ باعث فروغ فن شہر کہ بہ اندر اس رسیدہ بود گر دیدہ مرد متوکل است و درین فن کامل، راقم نقوش غریبہ است و ناظم

جو اہم عجیب۔ معنی یاب وقت آفرین است، مدائح الشعرا: "منتظوم... قدوة الفقرا"  
 زبنة الکلام، مرحلقہ شاعران رنگین بیان.. معارف کیش.. میاں منظوم شاہ مرحوم..  
 از قدیم الایام من متوالان (کذا) ومتوطنان.. الا آباد است.. در ابتدا شاہگر در شیدہ..  
 مصحفی.. و در دور آخر چوں.. ناسخ مغفور دارالآباد گشت بہ نلامذگی (کذا) آن  
 وجد الزمان سر مباحات بہ فلک الافلاک بر افراخت و ہر چیز کہ کامل بود اکمل الکمل  
 گردیدہ.."

۱۳۱ شوکت نادری بیمار اسم سامیش سید زین العابدین از عمدہ رکوساے  
 این شہر و عالی خاندانت و خود نیز ہوا اٹھالی روزگار و با اقتدار پودہ دریں صلیح  
 و دیگر اصلا عہدہ سررشتہ داری عدالت و در سرکار نائب والی نائب (کذا) لکنو  
 عہدہ منشی گری بہ اذ مفضول بود۔ اشعارش گری بازار سخن است و طبعش باعث فروغ  
 این فن۔ اکثر اشغال و ضیق مجال کمتر بکفر سخن ہے پروازد۔ بعضے از نتائج بلند  
 اذ کہ از غایت قبولیت زبان زد اہل شہر است زینت این اوراق میگردد اند۔

۱۳۱ محمد الدولہ نے جس موقع پر فضل علی کو گرفتار کرنا چاہا تھا، اس وقت  
 اس کے بھتیجے ہوئے لوگوں نے نصیر الدین حیدر پر بندق چلائی جہاں تھی، فضل علی وغیرہ  
 جلد سامنے سے ہٹا لیا سو انجات ۲۵۱۔ آثار الصنادید (نو لکھنوی باب ۲ ص ۳۲)  
 میں ان کے خطابات ذیل مرقوم ہیں: اعتماد الدولہ ضیا الملک بہادر سہراب جنگ۔  
 مصحفی کے دیوان میں ان کی ندر میں ایک مختصر سی مثنوی ہے اور ان سے متعلق  
 ایک قطعہ جس کا عنوان یہ ہے: در غزل صحت میر فضل علی، زا روغہ سرکار بادشاہ  
 بیگم صاحبہ:"

روز جشن غزل صحت میر صاحب کا ہے یہ جس کے باعث گرد غم جتنی تھی سب دھوئی گئی  
 ہر طرف جوش مبارکباد کی پہنچی صدا زنگیں بیمار کو ان کی شفا حاصل ہوئی

بے طلب سائل کو دینا ہے یہ بیعت کا کمال  
دیکھنے میں اپنے کم آیا ہے کوئی ایسا سخی  
مصحفی کی یہ دعا ہے اب کتنا روز قیام  
تو رہے بے رنج اور آنکھوں کی تیری روشنی  
دشمنوں کے دل کو پہنچے داغِ محرومی تمام  
دوستوں کے سر پہ ہوئے سایہٴ فضلِ علی

عمرہ فیض علی جن کا نام فیض النساء تھا عہد نصیر الدین حیدر میں نہیں بری تھیں، ان سے غازی الدین حیدر کے کارندوں نے پچاس ہزار وصول کیے تھے، لاکھ روپے محمد علی شاہ نے لیے، یہ ڈر کر شمس آباد چلی گئیں اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ عہد امجد علی شاہ میں ان کی افض لکھنؤ آئی اور کربلا سے خدا بخش میں ہم پہلوئے فضل علیاں دفن ہوئیں۔ سوانحات ص ۳۲۷۔ فضل علی سے متعلق کوئی نظم کلیات ناسخ مطبوعہ میں نہیں۔ ۱۳۱ الف بیمار کے شعر کا مصرع ۲ ناموزوں ہے۔

۱۳۲ شوکت نادری: "اعظم مرزا اعظم علی.. از سکناے قدیم خلد آباد منحلات.. الہ آباد" شاعر دانتش، فکرِ محاش سے شعر کہنے کا وقت کم مانتا ہے۔ ۱۳۵ مدائح الشعرا: "ذکر اسم شریفش سرمایہٴ فضل و کمال و آں سرمنشا سخنداں (کذا) نکو سیدہ (کذا) حصال، کشاف دقائق اشعار نعتی و جلی مولوی ذاکر علی سکناے (کذا) تلیا نالاند"

۱۳۹ شعر زبردست مصحفی کے کسی دیوان میں نہیں ملا مگر اس زمین میں ان کا دوغزلہ موجود ہے۔

۱۴۱ "آب حیات" حاجی محمد صادق خاں، اختر" ص ۳۴۷۔ حاجی کہیں اور

نظر نہیں آیا۔

۱۴۷ حسین علی خاں کے مزید حالات سوانحات ص ۲۳۵۔

۱۴۸ مرزا حاجی نے عہد سلطنت داجد علی شاہ میں جس کا خاتمہ ۱۲۷۲ھ ہوا،

وفات پائی تھی، یہ سوانحات ۲ (اس کا نام قیصر التواریخ) ص ۶۸ سے ثابت ہے

۱۲۷۵ء قسطاً غلط ہے۔

۱۵۲ مرزا محمد تقی، موس سیدزینتھے ۱۵۵ دیوان یاس سے تلمذ اسخ

ثابت ہے ۱۵۹ شوکت نادری میں ہے کہ از افریابے قریبہ جناب سید شاہ نور علی مقفورا است

۱۶۲ شہید کا سال وفات دیوان نور شاگرد برقی میں ہے، غالباً ۱۲۷۷ھ

اس وقت دیوان پیش نظر نہیں۔

## مفردات و مرکبات و طرق استعمال

پر لیکھا کرنا ذرا، لیکھا ذرا، آنکھ مندی، بڑے بول کا سر نیچا، دم امانا، اضطراری،  
 شتابی، دل بکھرا جاتا ہے، چلچلاؤ لنگر ہے، کان چھدانا، دوائے، بالے پن،  
 تختہ ۲، پنکھڑی، استخوان ذرا، من، جان، جھٹکا دینا، لنگا ذرا، نظر سے مت ٹپک،  
 اشارت ۳، تعال تعال، ابرو و گیسوت، موئی امت، جلی کٹی، مسکنا،  
 نقشہ جنا، دیکر راگ ذرا، لہرانا، نیرنا، لغت ایوان، جو کی روٹی، ابالے ساگ،  
 ندیدے، کجلا نا، جیتا دم (رحاشیہ)، روپ، زلیبت ت، ڈھٹائی، کناری،  
 کٹورا، دورانا، ڈسا، کالا، کھیلا، نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے، پٹا کرہ، ساپ  
 نکل گیا لکیر پٹا کر، دو چشمی ہے کھینچا، دو چشمی تصویر، سودا بننا، خریداری کو ٹوٹنا،  
 کسی سے دل ٹوٹنا، آسمان ٹوٹنا، دم پھوک جانا، تفرقہ انداز، ڈاب، رات بھاری  
 ہونا، زلزل ۶، کامیکو، فجر کتے، بسنتی جوڑا، چشم میں سرسوں پھولنا، بل  
 پڑ جانا، مسی مالیدہ، بول بالا ہونا، گنگا کا دھارا، خوشیو، ٹھہرا (رحاشیہ)،  
 ہندی ملی، لال بھجھو، انگریز (ب اعلان ن)، پلکوں کی چلین چھوڑ دے، میل  
 ت (رحاشیہ)، پانزنی پڑ جانا، تیوری چوٹھانا، جھننے پڑنا، رنگت، پورا زنگلی  
 اور نیشکر کی، ڈور ہونا، ارڈا کر بیٹھ گیا، پلک سے پلک لگنا، لکھ موسیٰ پڑھے خدا

## تذکرہ شعرا

پہلے (نیلوارکا) ۹، سینچا ہنگلدار، پری، چاندنی کے کھیت، پشتہا اردو ۱۰، بدقتنا،  
 سکھانا، ہووے، موتیا، (رحاشیہ) تشبیہ دینا ۱۱، گندا پہنانا، استمداد،  
 اکھانا، یوناسا قد، آپ کو (اپنے کو) ۱۲، اردو، بالٹس کے بن، چٹکنا، دل لگی،  
 آہ و نالے، آہ و نالو، تم نداری بزرخبر ۱۳، ہندی (اردو اور جگہ بھی)، اُلٹی سی  
 ٹپکتی ہے، گھن لگنا، روگ دیا، دانت کھٹے ہونا، اطلاع کرنا، کشاف ۱۴، تخیل، التزی،  
 جادو طراز، صحابت، حقیقت قلع کی جا، بات کاٹی، کام ہو گیا، سدھارنا، ہونٹوں  
 کو چاٹنا، مگر (مگر مجھ) ۱۶، آج ہی (وہ وزن میں ماقظ) دوسرا اس کرنا، نیند اُپٹ  
 جانا، بے پیر، بھروسہ ساز، چاہت، اپنے بدن سے نکل گیا، تئیں بدھین آنکھوں سے  
 حکم بجا لانا، کارواں اتارنا، نخل تلے، منگل، جو نو غضب ہے، ۱۷، خفقان (بفتہ،  
 خوف) ذ، شمس الحق تبریز ۱۸، بینی، خم، خوشبو، کبھو ۱۹ (رحاشیہ)۔

# مفردات و مرکبات اور طرق استعمال

## الفبائی ترتیب میں

پٹیا کر، ۵	اطلاع کرنا، ۱۳	آپ کو (اپنے کو)، ۱۲
پری، ۹	اکڑنا، ۱۱	آج ہی (وہ وزن میں ساقط)، ۱۶
پریکھا کرنا (نذکر)، ۱۰	انتی سی پیتی ہے، ۱۳	آسماں ٹوٹا، ۵
پشتخار (نذکر)، ۱۰	انگریز، ۷	آنکھ مندی، ۱
پلک سے پلک لگانا، ۷	بانٹ کائی، ۱۳	آنکھوں سے حکم بجالانا، ۱۶
پلکوں کی حلین چھوڑ دے، ۶	بالے پن، ۱۰	آہ و نالو، ۱۲
پنکھڑی، ۲	بانس کے بن، ۱۳	آہ و نالے، ۱۲
پور (انگلی اور نیشکر کی)، ۷	بدجلین، ۱۶	ابالے ساگ، ۳
پھل، تلوار کا، ۹	بڑے بول کا سہنچا، ۱	ابرو و گیسو (مونث)، ۳
تبختر (نذکر)، ۲	بسنتی جوڑا، ۶	اپنے بدن سے نکل گیا، ۱۶
تحت الشری، ۱۳	بل پڑجانا، ۶	اُردو، ۱۲
تزلزل، ۶	بوٹا ساقہ، ۱۱	اڑا اڑا کر بیٹھ گیا، ۷
تشبیہ دنیا، ۱۱	بول بالا ہونا، ۶	استخاں (نذکر)، ۲
تعال تعال، ۳	بھروسا (نذکر)، ۱۶	استمداد، ۱۱
تفرقہ انداز، ۵	بلے پیر، ۱۶	اشارت، ۳
تئیں، ۱۶	بتی، ۱۸	اضطراری، ۱۰

شجر کے تلے ، ۶	دل لگی ، ۱۲	تیرنا ، ۴
شمس الحق تیریز ، ۱۸	دم آگنا ، ۱۰	تیوری چڑھانا ، ۷
صحابت ، ۱۴	دم پورک جانا ، ۵	جادو طراز ، ۱۴
غم نذاری بزوختر ، ۱۳	دوانے ، ۱۰	جان ، ۲
کارواں اتارنا ، ۱۶	دو چشمی تصویر ، ۵	جھٹے پڑنا ، ۷
کالا ، ۴	دو چشمی ہے کھینچنا ، ۵	جلی کٹی کی ، ۳
کام ہو گیا ، ۱۴	دوڑانا ، ۴	جو تو غضب ہے ، ۱۷
کان چھدانا ، ۱۰	دیپک راگ (مذکر) ، ۳	جو کی روٹی ، ۴
کاہیکو ، ۶	ڈاب ، ۵	جھکادینا (مذکر) ، ۲
کسمبو ، ۱۹	ڈسا ، ۴	جینا (مذکر) ، ۴ (ملفوظات درحاشیہ)
کٹورا ، ۴	ڈور ہونا ، ۷	چاندنی پڑجانا ، ۷
کجلانا ، ۴	ڈھٹائی ، ۴	چاندنی کے کھیت ، ۹
کسی سے دل ٹوٹنا ، ۵	رات بھاری ہونا ، ۵	چاہت ، ۱۶
کشاف ، ۱۴	رنگت ، ۷	چسکا ، ۱۲
کناری ، ۴	روپ ، ۴	چشم میں سرسوں پھوننا ، ۶
کھیلنا ، ۴	روگ دیا ، ۱۳	چلچلاؤ لگ رہا ہے ، ۱۰
گلداری ، ۹	زیست (مونث) ، ۴	حقیقت قطع کی ، ۱۴
گنڈا پنھانا ، ۱۱	سانپ نکل گیا لکیر پٹیا کر ، ۵	خریداری کو ٹوٹنا ، ۵
گڑگا کا دھارا ، ۶	سدھارنا ، ۱۴	خفقان ، ۱۷
گھن لگنا ، ۱۳	سکھلانا ، ۱۰	ختم ، ۱۸
لال بھجھو کا ، ۷	سودا بننا ، ۵	خوشبو ، ۱۸۰۶
لٹکا (مذکر) ، ۲	سینچنا ، ۹	دانت کھٹے ہونا ، ۱۳
لکھے موسیٰ پڑھے خدا ، ۷	شتابی ، ۱	دل بکھرا جا آ ہے ، ۱

نم ۲۰	مولیٰ امت ۳	لہرانا، ۳
نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے، ۴	منہدی ملی، ۷	لیکھا (مذکر) ۱۰
نیزد اچٹ جانا، ۱۴	میل (مونث)، ۷ (درجہ شیعہ)	مسکنا، ۳
وسواس (مذکر)، ۱۴	نخل تلے، ۱۴	مسی مالیدہ، ۶۵
ہندی (اردو اور جگہ بھی)، ۱۳	ندیدے، ۴	مگر (مگر پچھا)، ۱۶
ہونٹوں کو چاٹنا، ۱۳	نعمت الوان، ۴	مکھڑا، ۶ (درجہ شیعہ)
ہووے، ۱۰	نظر سے مت ٹپک، ۲	منگل، ۱۶
یہ قدرت، ۱۰	نقشہ جمن، ۳	موتیا، ۱۰ (درجہ شیعہ)

# **Tazkira-e Shu'ara**

A Biography-cum-authology of Urdu Poets

by

**Ibn-e Aminullah Toofan**

(d. 1252 H. (approx.))

Edited by

**Qazi Abdul Wadood**

(d. 1984)

**Khuda Bakhsh Oriental Public Library**  
**Patna**